مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا

حضرت ابوہریرہ رض

اور مستشرقین و مستغربین

کے اعتراضات

تصنیف

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم

صدر شعبہ فقہ اسلامی

جامعہ دمشق

ترجمہ و تحشیہ

پروفیسر غلام احمد حریری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ

زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

مصری منکر حدیث احمد امین کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جائزہ

کچھ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے بارے میں

میں نے مناسب خیال کیا کہ احمد امین کے وارد کردہ اعتراضات و مطاعن ذکر کرنے سے قبل حضرت ابوہریرہؓ کے مختصر سیرہ و سوانح ذکر کردوں۔ تاکہ ان کی صحیح تاریخ سامنے آجائے اور یہ حقیقت بھی منصّہ شہود پر جلوہ گر ہو جائے کہ آنحضورؐ کے صحابہ علماء تابعین اور ائمہ دین اس جلیل القدر صحابی کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر آپ بسہولت ابوہریرہؓ کے اس تابان و درخشان حسن و جمال اور اس مسخ شدہ صورت کے مابین تقابل کر سکیں گے جو احمد امین نے اپنے عیسائی شیوخ و اساتذہ کی پیروی میں پیش کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی سیرت ہم نے استیعاب ابن عبد البر اصابہ ابن حجر تہذیب الاسماء نووی اور دیگر کتب رجال سے پیش کی ہے۔

نام و کنیت۔ حضرت ابوہریرہؓ اور ان کے والد کے بارے میں علماء کے بکثرت اقوال ہیں۔

مشہور مؤرخ قطب حلبی نے اس ضمن میں چوالیس[44] اقوال نقل کیے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے آپ کا نام عبد شمس بن صخر تھا۔ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ نے ان کا نام عبدالرحمان رکھا۔ آپ یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں اور ان کا نام اُمیمہ تھا۔ امام ترمذی نے ان کی کنیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں "میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میں نے ایک چھوٹی سی بلی پال رکھی تھی۔ جب رات آتی تو میں اسے ایک درخت میں چھپا دیتا۔ دن کے وقت میں اس سے کھیلتا رہتا اس لیے لوگوں نے مجھے ابوہریرہ (چھوٹی سی بلی کا باپ) کہنا شروع کر دیا۔

اسلام وصحبت حضرت ابوہریرہؓ ۷ھ کو صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیانی عرصہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت تقریباً تیس سال تھی۔ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے لوٹے تو حضرت ابوہریرہؓ آپ کی معیت میں مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی کے سائبان (صفہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس کے بعد سایہ کی طرح ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے اور کبھی جدا نہ ہوئے۔ اکثر اوقات کھانا بھی آپ کے یہاں سے کھاتے۔ حتیٰ کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی۔

اوصاف واخلاق حضرت ابوہریرہؓ گندم گوں تھے۔ سینہ چوڑا سر پہ بالوں کی دو لٹیں تھیں، دانت کشادہ، داڑھی لمبی جس پہ زرد رنگ لگاتے تھے۔ مونچھیں منڈواتے تھے۔ آپ صادق العقول خوش مزاج دوستوں کے دوست اور ظریف الطبع تھے۔

محدث ابن ابی الدنیا نے کتاب المزاح میں زبیر بن بکار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا "میں نے صبح روزہ رکھا تھا۔ میں اپنے والد کے یہاں آیا تو وہاں میں نے روٹی اور گوشت دیکھا جو میں نے سیر ہو کر کھا لیا۔ یہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں روزہ سے ہوں" ابوہریرہؓ نے کہا "تجھے خدا نے کھلایا۔ پھر میں وہاں سے چل دیا اور کسی اور شخص کے یہاں آیا۔ میں نے دیکھا کہ بکری کا تازہ دودھ موجود ہے۔ چنانچہ میں نے سیر ہو کر بکری کا دودھ پی لیا۔ ابوہریرہؓ نے کہا "تجھے خدا نے پلایا" اس نے کہا پھر میں اپنے گھر آ کر دوپہر کو سو رہا۔ جب بیدار ہوا تو پانی منگوا کر پیا۔ ابوہریرہؓ نے کہا۔ بھتیجے! تو نے کبھی روزہ رکھا ہی نہیں۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "المعارف" میں روایت کیا ہے کہ مروان نے ابوہریرہؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ آپ ایک پالان کس کر گدھے پر سوار ہو گئے۔ سر پر کھجور کی چھال اٹھا رکھی تھی جب راستہ میں کوئی شخص ملتا تو کہتے راستہ سے ہٹ جاؤ مسلمانوں کا امیر آرہا ہے۔ ابوہریرہؓ پر طعنہ زنی کرنے والوں نے جن میں گولڈزیہر جیسے لوگ شامل ہیں کہا کہ ابوہریرہؓ ضعیف العقل تھے دلیل کے طور پر انہوں نے یہ واقعہ پیش کیا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۴۰۸)

کچھ یوں دکھائی دیتا ہے کہ احمد امین عیسائی مستشرقین کی اس رائے کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ابوہریرہؓ کی سیر و سوانح پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نے ابن قتیبہ کے بیان کردہ واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ابوہریرہؓ کے اخلاق و عادات میں احمد امین کو اس کے سوا کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر یہ بہت بڑا حملہ اور بے بنیاد الزام ہے جو حقائق کی توڑ مروڑ پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ خوش طبعی اور ظرافت و مزاح سے انسان کی عزت و عظمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس کے یہ معنی بھی نہیں ہوتے کہ وہ شخص کم عقل اور احمق ہے۔ ورنہ اس سے لازم آئے گا کہ ہر لطیف مزاج اور خوش ذوق آدمی احمق ہو۔ اس کے برخلاف ہر چڑچڑا اور درشت طبع شخص بہت بڑا مدبر اور دانشمند ہو۔

زُہد و عبادت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابوہریرہؓ اہل صفہ میں سے تھے۔ زیادہ تر صحبتِ نبوی میں رہتے کھانا بھی آپ کے یہاں کھاتے۔ اکثر بھوک سے صرف اس لیے دوچار رہتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سننے سے رہ نہ جائے۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ "مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین سے لگا لیتا۔ اور پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ میں آنحضورؐ کے منبر اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان پڑا رہتا۔ لوگ کہتے کہ پاگل ہے۔ میں پاگل تو نہ تھا۔ البتہ بھوک کا ستم رسیدہ تھا۔

جو شخص حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ "اُصرعُ" سے یہ مفہوم مراد لیتا ہے کہ ابوہریرہؓ مرگی کے مریض تھے۔ وہ افترا پردازی سے کام لیتا ہے۔ ابوہریرہؓ نے بذات خود واضح کر دیا ہے

کہ اس سے مراد وہ غشی ہے جو فاقہ کشی کی وجہ سے ان پر طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جن اہل اسلام مؤرخین نے ابوہریرہؓ کے سیر و سوانح بیان کیے ہیں اُن میں سے کسی نے بھی تحریر نہیں کیا۔ کہ آپ اس قسم کے مرض میں مبتلا تھے۔ حیرانی ہے کہ عیسائی مستشرقین نے یہ اتہام کیسے باندھ دیا؛ حالانکہ موصوف کے احوال و کوائف انہوں نے مسلم مؤرخین کی تصانیف سے اخذ کیے ہیں۔

جہاں تک حضرت ابوہریرہؓ کے ورع و زہد کا تعلق ہے ابن حجر نے قبیلہ طفاوہ کے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہؓ کے یہاں قیام پذیر ہوا۔ میں نے اس سے زیادہ مہمان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ امام احمد نے ابوعثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ میں ابوہریرہؓ کے یہاں سات مرتبہ مہمان ٹھہرا۔ ابوہریرہؓ ان کی بیوی اور خادم رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ تینوں میں سے ایک نماز پڑھتا اور پھر دوسرے کو بیدار کر دیتا۔ یہاں تک کہ رات گزر جاتی۔

ابن سعد نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہؓ ہر روز بارہ ہزار تسبیح پڑھا کرتے اور کہتے تھے کہ میں اپنے گناہوں کے مطابق تسبیح پڑھتا ہوں۔ عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا۔ ابوہریرہؓ وہاں سے دس ہزار (درہم یا دینار) لائے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا" یہ مال کہاں سے لیا؟" ابوہریرہؓ نے کہا" گھوڑوں کے بچوں کو فروخت کر کے نیز متعدد تنخواہوں اور غلام کی آمدنی سے حاصل کیا" حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو درست پایا۔ حضرت عمرؓ نے پھر آپ کو عامل بنانا چاہا تو نہ مانے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" آپ سے بہتر شخصیت نے عامل بننے کی خواہش کا اظہار کیا تھا" ابوہریرہؓ نے عرض کیا" وہ حضرت یوسفؑ خود نبی اور نبی کے بیٹے تھے اور میں اُمیمہ کا بیٹا ابوہریرہؓ ہوں میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ بلا دلیل کوئی بات کہوں۔ یا بلا دلیل کوئی فیصلہ صادر کروں۔ اگرچہ مجھے پیٹا جائے۔ مجھے گالیاں دی جائیں اور میرا مال چھین لیا جائے۔

قوتِ حافظہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوہریرہؓ آپ کے ان اعمال و افعال سے آگاہ ہو گئے۔ دوسرے جن سے بے بہرہ تھے۔ جب اسلام لائے تو حافظہ خراب تھا۔ بارگاہِ رسالت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ذرا چادر پھیلاؤ

ابوہریرہؓ نے تعمیل ارشاد کر دی۔ حضورؐ نے فرمایا اب اس کو اپنے سینہ کے ساتھ لگا لو۔ اس کے بعد کبھی کوئی حدیث فراموش نہ ہوئی۔ چادر پھیلانے کے واقعہ کو مختلف ائمہ حدیث مثلاً بخاری و مسلم احمد و نسائی ابن ابی یعلیٰ اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

یہودی مستشرق گولڈزیہر نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ قصہ من گھڑت ہے۔ عوام نے اس کو اس لیے وضع کیا ہے کہ ابوہریرہ کو احادیث کثیرہ کی نقل و روایت کے الزام سے بری ثابت کیا جائے یہ ایک عظیم افترا اور ظن و تخمین ہے جس کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔ اس یہودی نے احادیث رسولؐ کی روایت کرنے والے ایک جلیل القدر صحابی پر از رہِ تعصب یہ طوفان باندھا ہے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس کے من گھڑت ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کیا اس یہودی نے ان تاریخی کتب میں اس کا کچھ نشان پایا تھا جو اس کے پیش نظر تھیں؟ ورنہ محدثین کے روایت کردہ واقعہ کو جھٹلانے کی کیا وجہ تھی۔؟

مستشرقین حضرت ابوہریرہؓ کی قوت حافظہ پر اظہار حیرت و استعجاب کرتے ہیں۔ اگر اس کو انصاف کی نگاہ اور علم النفس اور علم الاجتماع کی روشنی میں دیکھتے تو اس میں ان کو کوئی اعجوبہ پن نظر نہ آتا۔ اس لیے کہ ہر قوم میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ جو دوسری اقوام میں موجود نہیں ہوتی

قوتِ حافظہ عربوں کی عظیم خصوصیت ہے۔ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین میں ایسے لوگ گزرے ہیں جو سرعتِ و قوتِ حفظ میں یگانہ روزگار تھے۔ جو شخص اس حقیقت سے بخوبی آگاہ و آشنا ہو کہ

۱۔ امام بخاریؒ کو تین لاکھ احادیث مع اسانید یاد تھیں۔

۲۔ امام احمد بن حنبل چھ لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔

۳۔ محدث ابو زرعہ کو سات لاکھ حدیثیں از بر تھیں۔

وہ ابوہریرہؓ کی محفوظ احادیث پر اظہار حیرت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ مسند بقی بن مخلد میں مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے کل پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث منقول ہیں۔ ہمیشہ ہی سے علمائے عربیت اور شعراء میں نظم و نثر کے ایسے عظیم حافظ چلے آئے ہیں۔ کہ ان کے مقابلہ میں ابوہریرہؓ کی مرویات کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ مثلاً اصمعی ہی کو لیجیے۔ مقبول راویان

اشعار آپ کو عرب کے پندرہ ہزار اشعار یاد تھے۔

ہمارے مکرم دوست پروفیسر محب الدین الخطیب نے شیخ شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قوتِ حافظہ کے جو چشم دید واقعات سنائے ہیں اس سے حیرانی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

”ہم استاذ علامہ شیخ احمد بن امین شنقیطی کی شخصیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ کو جاہلی شعراء اور ابو العلاء معری کے تمام اشعار یاد تھے۔ اور اگر ان اشعار کو شمار کیا جائے تو موجب حیرت ہو۔ آپ نے اپنی کتاب ”الوسیط“ از اوّل تا آخر شیخ طاہر الجزائری کی فرمائش پر اپنے حافظہ کی مدد سے تحریر کی تھی۔ اس کتاب میں شنقیط نامی شہر کے رہنے والے تمام مردوں اور عورتوں کے انساب و قبائل اور ان کی نظم و نثر کی تفصیلات مندرج ہیں۔ کتاب لکھنے سے پہلے علامہ شنقیطی کے پاس دوسرا کوئی ماخذ موجود نہ تھا۔ نظر بریں اس کے مقابلہ میں جب ابو ہریرہؓ کی محفوظ احادیث کو دیکھا جائے جو موصوف نے طویل صحبتِ نبوی میں یاد کیں تو ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ مزید براں اُمت مسلمہ میں جو دیگر اکابر پیدا ہوئے ہیں جن کی قوتِ حافظہ ضرب المثل کی حد تک مشہور تھی ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔“ (مجلۃ الفتح شمارہ ۲۵)

آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ صحابہ نے خود ابو ہریرہؓ کے کثرتِ حفظ کا اعتراف کیا تھا۔ مروان نے جب حضرت ابو ہریرہؓ کی قوتِ حافظہ کا امتحان لیا۔ تو آپ اس میں کامیاب ثابت ہوئے تھے۔ یہ واقعہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں مروان کے کاتب سے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلایا۔ آپ تشریف لا کر حدیثیں روایت کرنے لگے۔ مروان کا کاتب پس پردہ بیٹھ کر وہ حدیثیں لکھتا جاتا تھا۔ پورا ایک سال گزرنے کے بعد مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلا کر ان احادیث کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے کوئی لفظ تبدیل کیے بغیر من و عن وہ حدیثیں دہرا دیں۔ مروان نے جب کاتب کی تحریر کردہ احادیث دیکھیں تو وہ بالکل ان کے مطابق تھیں۔

یہ واقعہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ متعصب مستشرقین اور ان کے مسلم اتباع و تلامذہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے متعلق جو افک پردازی کی ہے۔ اس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ ابو ہریرہؓ کی

صداقت کو مشکوک ثابت کرنے سے ان کا مقصد ابو ہریرہؓ کی قدر و منزلت کو گھٹانا نہیں تھا۔ بخلاف ازیں یہ تحقیر و توہین اسلام اور اس کی تعلیمات کو مشتبہ و مشکوک ثابت کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔

صحابہ تابعین دیگر علماء اور ابو ہریرہ رضؓ :۔ حضرات صحابہ تابعین اور دیگر اہل علم سے ابو ہریرہؓ کی مدح و ستائش میں لاتعداد اقوال منقول ہیں۔ ذیل میں چند اقوال درج کیے جاتے ہیں

۱۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ ابو ہریرہؓ نے رسول کریمؐ سے جو کچھ سنا ہم نے نہیں سنا"

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

"ابو ہریرہؓ مجھ سے افضل اور احادیث رسولؐ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے"

۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک شخص سے کہا:

ابو ہریرہؓ کے وابستہ دامن ہو جائیے۔ ایک دفعہ میں ایک دوسرا شخص اور ابو ہریرہؓ مسجد نبوی میں بیٹھ کر ذکر و دعا میں مشغول تھے کہ رسول کریمؐ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ فرمایا "اپنا مشغلہ جاری رکھو" چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے دعا مانگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔ ابو ہریرہؓ نے ان الفاظ میں دعا مانگی اے اللہ! میرے ساتھیوں نے تجھ سے جو کچھ مانگا ہے میں وہ تجھ سے مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ مجھے ایسا علم عطا کر جو فراموش نہ ہو۔ حضورؐ نے آمین کہی۔ پھر میں نے اور میرے ساتھی نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول! ہم بھی ایسے علم کی دعا کرتے ہیں جو فراموش نہ ہو" فرمایا "دوسی نوجوان (ابو ہریرہؓ) تم سے سبقت لے گیا"

۴۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

ابو ہریرہؓ کو ہم سے بڑھ کر رسول کریمؐ کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ اور وہ ہم سے بڑے حافظ حدیث تھے"

۵۔ حضرت اُبی بن کعب کا قول ہے:

"ابوہریرہؓ رسول کریم سے ایسی باتیں پوچھنے کی جرأت کرتے جو ہم نہیں کرسکتے تھے۔"

۶۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

"ابوہریرہؓ اپنے تمام ہم عصر راویان حدیث سے بڑے حافظ تھے۔"

۷۔ امام بخاری کا قول ہے:

"آٹھ سو اہل علم نے ابوہریرہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔"

۸۔ ابوصالح ارشاد فرماتے ہیں:

"ابوہریرہؓ اصحابِ رسولؐ میں سب سے بڑے حافظ تھے۔"

۹۔ حضرت حسن بصری کے بھائی سعید بن ابی الحسن کا قول ہے:

"اصحابِ رسولؐ میں سے کسی کو ابوہریرہؓ سے زیادہ حدیثیں یاد نہ تھیں۔"

۱۰۔ امام حاکم فرماتے ہیں:

"ابوہریرہؓ کو سب صحابہ سے زیادہ رفاقتِ رسولؐ کا شرف حاصل ہوا یہ سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ صرف کھانا کھاتے اور رسول کریمؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔ اسی لیے ان کی محفوظات سب سے زیادہ تھیں۔"

۱۱۔ محدث ابونعیم فرماتے ہیں:

"یہ احادیثِ رسول کے عظیم حافظ تھے۔ ابوہریرہؓ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اہل ایمان کا دوست بنا دے۔ چنانچہ سب اہل ایمان آپ کو چاہتے ہیں۔"

۱۲۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے:

"جملہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوہریرہؓ سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ ابوہریرہؓ کے چادر پھیلانے کا واقعہ بیان کرکے ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ معجزاتِ نبوت میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ ابوہریرہ اپنے عصر و عہد میں احادیثِ نبویہ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ نے کثیر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں جن میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

حضرات ابوبکر و عمر و فضل بن عباس و اُبی بن کعب و اُسامہ بن زید و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل صحابہ قابل ذکر ہیں:

عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس و جابر و انس اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم۔

تابعین میں مندرجہ ذیل اکابر نے آپ سے استفادہ کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے داماد سعید بن المسیّب۔ عبداللہ بن ثعلبہ۔ عروہ بن زبیر۔ قبیصہ۔ سلمان الاغر۔ سلمان بن یسار۔ عراک بن مالک۔ سالم بن عبداللہ۔ حضرت عبدالرحمٰن کے دونوں صاحبزادوں ابوسلمہ و حمید۔ محمد بن سیرین۔ عطاء بن ابی رباح۔ عطاء بن یسار۔

و دیگر اہل علم تابعین جن کی تعداد بقول امام بخاریؒ آٹھ سو تک پہنچتی ہے۔ مذکورہ صدر کبار صحابہ و تابعین کا ابوہریرہؓ سے استفادہ کرنا اور ان پر اعتماد کرنا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ابوہریرہ بڑے جلیل القدر اور صادق العقول صحابی تھے۔ نیز اس میں ان متعصب مستشرقین اور ان کے ہمنوا مسلم مصنفین کی زبردست تردید ہے۔ جن کے دل کو حسد و عداوت کی آگ نے بھسم کر کے رکھ دیا تھا۔

مرض و وفات

محدث ابن ابی الدنیا نے بسند صحیح ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہؓ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو میں ان کے یہاں گیا۔ اس وقت انہیں شدید درد ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے سینہ سے لگا کر ان کو بٹھالیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرماوے ابوہریرہ نے دو مرتبہ کہا "میں زندگی نہیں چاہتا۔ میرے بس میں ہو تو میں مرنا پسند کرتا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوہریرہؓ کی جان ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ایک شخص کا گزر اپنے بھائی کی قبر پر ہوگا۔ وہ چاہے گا کہ اے کاش! میں اس کی جگہ ہوتا۔

امام احمد اور نسائی نے بسند صحیح عبدالرحمٰن بن مہران سے اور اس نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوہریرہؓ کا آخری وقت قریب آیا تو فرمایا: "میری قبر پر خیمہ نہ لگانا نہ میرے جنازہ کے ساتھ انگیٹھی لے کر چلنا اور میرے جنازہ کو جلدی سے لے جانا"۔ بغوی نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

"زاد راہ کم ہے اور سفر لمبا"

ابوہریرہؓ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو مروان حاضر ہوا اور آپ کے لیے دعائے صحت کی یہ سن کر ابوہریرہؓ نے کہا "اے اللہ میں تیری ملاقات چاہتا ہوں تو بھی میری ملاقات پسند کر" مروان ابھی چل کر بازار تک ہی پہنچا تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ عازم فردوس ہوئے۔

ولید بن عقبہ نے باختلاف روایات ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ کو عصر کے بعد ابوہریرہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر پہنچی تو مدینہ کے عامل کو لکھا کہ ابوہریرہؓ کے ورثاء کو دس ہزار درہم دے دیں اور ہر طرح ان کا خیال رکھیں۔ اس لیے کہ محاصرہ کے دن حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد کی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں احمد امین کے شبہات:

یہ ہے حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح تصویر جو تاریخ نے پیش کی اور ہمارے علماء نے جس طرح اسے جانا پہچانا۔ مگر احمد امین نے اس تصویر کو کسی اور ہی رنگ میں پیش کیا ہے۔

احمد امین نے فجر الاسلام کی حدیث سے متعلق فصل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور ابن عباس نے حضرت ابوہریرہؓ کی تردید کی تھی اور ان کی روایت کردہ بعض احادیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بزعم خویش احمد امین نے ابوہریرہؓ کا جو ترجمہ (سیر و سوانح) تحریر کیا ہے اس میں صرف ان کے حسب و نسب اسلام لانے کے واقعہ اور ان کی ظرافت طبع پر روشنی ڈالی ہے جس کی غرض و غایت ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

علمی امانت و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ احمد امین ابوہریرہؓ کا ترجمہ ذکر کرتے وقت ان کا

مقام و مرتبہ بھی بیان کرتے جو صحابہ تابعین اور ائمہ حدیث کے درمیان ان کو حاصل تھا۔ مزید برآں اہل علم نے ان کی تعریف و توصیف میں جو کچھ کیا اور ان کے حفظ و ضبط اور صداقت بیانی کا جو اقرار و اعتراف کیا وہ بھی بیان کرتے۔ اس لیے کہ ابوہریرہؓ کے ترجمہ میں جس چیز کو موضوع زیر بحث سے زیادہ ربط و تعلق تھا وہ یہی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ احمد امین نے اس جانب مطلقاً توجہ مبذول نہیں کی۔ بخلاف ازیں احمد امین نے ابوہریرہؓ کے ترجمہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے ان کی منقبت کی بجائے مذمت کا پہلو نکلتا ہے۔ گویا گولڈزیہر اور دیگر مستشرقین کی پیروی کرتے ہوئے یہ بھی ابوہریرہ کو مورد طعن و تشنیع بنانے کی ایک پوشیدہ کوشش تھی۔ احمد امین کے حضرت ابوہریرہؓ پر وارد کردہ اعتراضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ بعض صحابہ مثلاً حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ کی بعض مرویات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۲۔ ابوہریرہؓ حدیثیں تحریر نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے تھے۔

۳۔ ابوہریرہؓ بعض ایسی حدیثیں بھی بیان کیا کرتے تھے جو انہوں نے آنحضورؐ سے براہ راست نہیں بلکہ دیگر صحابہ کے واسطہ سے سنی تھیں۔

۴۔ بعض صحابہ نے ابوہریرہؓ پر تنقید کی اور ان کی صداقت بیانی پر شک و شبہ کا اظہار کیا۔

۵۔ جب ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث خلافِ قیاس ہو تو احناف یہ کہہ کر اس کو ترک کر دیتے ہیں کہ ابوہریرہ فقیہہ نہیں۔

۶۔ واضعین حدیث نے ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت کو غنیمت سمجھا اور بے شمار حدیثیں گھڑ کر ان کی جانب منسوب کر دیں۔

اب ہم بتائیں گے کہ ان اعتراضات میں کس قدر تحریف اور مغالطہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے خلاف کی گئی اس علمی سازش کا پردہ چاک کریں گے اور اس کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیں گے۔

۱۔ بعض صحابہ کے ابوہریرہؓ پر اعتراضات :

احمد امین فجر الاسلام صفحہ ۲۶۵ پر لکھتے ہیں :

منقول ہے کہ ابوہریرہؓ نے یہ روایت بیان کی کہ:

"جو شخص جنازہ اٹھائے وہ وضو کرلے۔"

مگر حضرت ابن عباسؓ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ:

"خشک لکڑیاں اٹھانے سے ہمارے لیے وضو کرنا لازم نہیں ہوتا۔

اسی طرح ابوہریرہ نے بخاری ومسلم میں ذکر کردہ ایک حدیث روایت کی کہ:

"جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنا ہاتھ دھولے نہ جانے وہ رات بھر کہاں رہا ہے؟

حضرت عائشہ نے اس کو حجت قرار نہ دیا اور فرمایا:

"پھر ہم پانی سے بھرپور مٹکے کا کیا کریں کہ وہ سارا خراب ہو جائے گا۔"

(بحوالہ شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۷۸)

استاذ احمد امین نے مذکورہ صدر دونوں واقعات کو اس امر کی دلیل ٹھہرایا ہے کہ صحابہ باہم ایک دوسرے پر تنقید کرتے اور بعض کو بعض کی نسبت افضل تصور کرتے تھے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ جب باہم ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد صرف علمی تبادلۂ افکار ہوتا ہے اس کی وجہ نظریاتی اختلاف اور استنباط و اجتہاد کے مراتب کا تفاوت ہے۔ یا اس لیے کہ ایک صحابی کو ایک حدیث یاد ہوتی ہے اور دوسرے کو نہیں ہوتی اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایک صحابی دوسرے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا اس کو جھٹلاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ کے مابین جو بھی مناقشات تھے ان کو اسی پر محمول کرنا چاہیئے دگر ہیچ اس لیے کہ صحابہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے تھے خصوصاً ابوہریرہ کی صداقت ثقاہت اور حفظ و ضبط پر ان کو پورا پورا اعتماد تھا۔ ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کے مابین جو علمی تنازعات بپا ہوئے یہ ان پر اجمالی تبصرہ ہے۔ اب ہم احمد امین کے ذکر کردہ اعتراض کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی حدیث:۔ احمد امین نے پہلی حدیث یہ پیش کی ہے کہ: "جس نے جنازہ اٹھایا ہو وہ وضو کرلے" اور کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر

کئی طرح سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مجھے حدیث و فقہ اور اختلافی مسائل پر مشتمل کسی کتاب میں نہیں ملی۔ وہ واقعہ بھی مجھے کہیں نظر نہیں آیا جس میں حضرت ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ کی روایت کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ اور اگر یہ حدیث اور واقعہ دونوں درست ہوتے تو لازماً کسی حدیث کی کتاب میں ان کا نشان مل جاتا۔ البتہ علمائے اصول نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جن میں مسلم الثبوت کے مصنف بھی شامل ہیں۔ مگر علمائے اصول سے حدیث کے ذکر و بیان میں ہمیشہ فروگذاشتیں سرزد ہوتی ہیں۔ یہ اکثر بے اصل اور ضعیف روایتیں ذکر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو حدیث کے فن میں خصوصی بصیرت و مہارت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرکیف کتبِ اصول کو حدیث کا مرجع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ معتبر کتبِ حدیث کو نظر انداز کرکے کتب اصول کو حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے وہی شخص مرکزی حیثیت دے گا جو حاطب لیل ہو اور بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثیں جمع کرنے کا متمنی ہو اور یا صاحب غرض ہو۔

۲۔ بعض کتب حدیث کے الفاظ اس سے مختلف ہیں۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ:

"جو شخص میت کو غسل دے وہ نہائے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔"

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ایسی روایت حضرت علی و عائشہ سے بھی مروی ہے۔ ابوہریرہؓ کی روایت حسن ہے۔ اور یہ موقوفاً بھی نقل کی گئی ہے۔ میت کو غسل دینے والے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم صحابہ کا خیال ہے کہ جو شخص میت کو غسل دے اس پر غسل لازم ہے۔ اور بعض نے کہا کہ غسل نہیں بلکہ اس کے لیے وضو ضروری ہے۔ امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

"میت کو غسل دینے والے کے لیے میں غسل کو مستحب سمجھتا ہوں واجب نہیں۔ امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں البتہ اسے وضو ضرور کرنا چاہیئے۔ اسحاق فرماتے ہیں

کہ اس کے لیے وضو ضروری ہے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اس کے لیے نہ غسل واجب ہے نہ وضو" (انتہیٰ کلام الترمذی)

مذکورہ صدر کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوہریرہؓ اس حدیث کے نقل کرنے میں منفرد نہیں۔ بلکہ حضرت علیؓ و عائشہؓ بھی اس ضمن میں ان کے ہمنوا ہیں۔ مزید براں یہ حدیث ابوہریرہ سے مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح نقل کی گئی ہے۔ لہٰذا ابن عباس نے ابوہریرہؓ کی روایت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بے اثر ہے۔ نیز یہ کہ یہ مسئلہ علماء کے مابین متنازعہ رہا ہے۔ بنظر بریں احمد امین نے اس واقعہ کو پیش کر کے جو استدلال کیا ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ خصوصاً جب کہ خود یہ واقعہ بھی ثابت نہیں اور دیگر صحابہ کی تائیدی روایات بھی موجود ہیں۔

۳- اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے اور ابن عباس نے حقیقتہً ابوہریرہؓ کی روایت کو تسلیم نہیں کیا تھا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضرت ابن عباس ابوہریرہؓ کو طعن دیتے یا ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں دونوں جلیل القدر صحابہ کے مابین یہ اختلاف حدیث مذکور کے فہم و ادراک میں رونما ہوا ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ حدیث کا ظاہری مفہوم مراد لیتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ جنازہ اٹھانے سے وضو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ابن عباسؓ اندریں صورت وضو کرنے کو مستحب و مندوب قرار دیتے ہیں۔ ابن عباس کے بیان کردہ الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ جنازہ اٹھانے والے کے لیے وضو کو واجب قرار نہیں دیتے۔ جب کہ ابوہریرہؓ اس کو واجب سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں آنحضورؐ کے جلیل القدر اور صاحب اجتہاد صحابی ہیں۔ اس لیے حدیث کے فہم و ادراک اور اس سے استنباطِ مسائل میں ان کے باہمی اختلاف میں کچھ مضائقہ نہیں۔

دوسری حدیث:- دوسری حدیث جس کو احمد امین نے ہدفِ طعن و تنقید بنایا ہے یہ ہے کہ "جو شخص نیند سے بیدار ہو وہ برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے"

یہ حدیث بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح میں حضرت ابن عمر و جابر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

بقول احمد امین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث پر جو تنقید کی ہے۔ کتب حدیث

میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ البتہ ابن العربی اور حافظ عراقی نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہؓ پر اعتراض کرنے والے کا نام قین اشجعی ہے جو اصحابِ عبداللہ بن مسعود میں سے تھا حافظ عراقی رقمطراز ہیں:

"صحیح مسلم کی ایک روایت میں "فی انائہ" کے الفاظ ہیں اور دوسری میں "فی الاناء" ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ ڈالنے کی ممانعت برتنوں سے مخصوص ہے۔

ایسے حوض اور تالاب میں ہاتھ ڈالنا ممنوع نہیں جو ہاتھ ڈالنے سے پلید نہ ہوتا ہو۔ اسی لیے قین اشجعی نے ابوہریرہؓ سے کہا تھا کہ جب ہمارے پاس پانی کا مٹکا بھرا ہو تو اس کا کیا کریں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا "خدا مجھے تمہاری شر سے بچائے" (بیہقی) حدیث کے مقابلہ میں مثالیں بیان کرنے کو حضرت ابوہریرہؓ نے پسند نہیں کیا تھا۔ اسی طرح دار قطنی اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا "اگر پانی کا حوض ہو تو اس کا کیا کیا جائے؟ یہ سن کر ابن عمر نے حدیث کے ہوتے ہوئے مثالیں بیان کرنے کو ناپسند کیا۔ اس لیے کہ آپ سنت نبوی کا بہت اتباع کرتے تھے۔"

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ ابوہریرہؓ حدیث ہذا کے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حدیث ابن عمرؓ اور بقول امام ترمذی حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ نیز یہ کہ ابن عمرؓ نے جب یہ حدیث روایت کی تو ان پر بھی اعتراض وارد کیا گیا تھا۔ اعتراض کنندہ قین اشجعی اصحاب عبداللہ بن مسعود میں سے ایک تابعی شخص تھا۔ نہ کہ حضرت ابن عباسؓ وعائشہؓ۔ تابعی مذکور کے بارے میں حافظ ابن حجر کا قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

قین اشجعی اصحاب ابن مسعودؓ میں سے ایک تابعی ہیں۔ ان کے اور حضرت ابوہریرہؓ کے مابین ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ بنابریں محدث ابن مندہ نے ان کو صحابی سمجھ لیا۔ چنانچہ ابن مندہ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قین اشجعی نے کہا پھر ہم حوض کو کیا کریں؟ یہ حدیث بروایت محمد بن عمرو

> ازابوسلمہ انہ ابوہریرہؓ معروف ہے۔ یہ سن کر قبن معترض ہوا تھا۔ یہ حدیث اعمش نے بطریق ابوصالح ازابوہریرہؓ بھی مرفوعاً روایت کی ہے۔ اعمش کہتے ہیں۔ میں نے ابراہیم سے اس حدیث کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پہ اعتراض وارد کیا تھا۔" (الاصابہ ج ۳ ص ۲۸۵)

مذکورہ صدر تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہؓ پہ اعتراض نہیں کیا تھا۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ فہم حدیث میں فرق و اختلاف پہ مبنی ہوگا۔ چنانچہ ابوہریرہؓ ہاتھ دھونے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ امام احمد، داؤد اور طبری کا زاویہ نگاہ بھی یہی ہے۔ بخلاف ازیں حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ اس سے متفق نہیں ہیں۔ جمہور اہل علم کا قول بھی یہی ہے۔ اس میں شک و ریب یا تکذیب کی کوئی گنجائش سرے سے موجود ہی نہیں۔

یہاں ایک امر قابل غور ہے اور وہ یہ کہ احمد امین نے شرح مسلم الثبوت کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہؓ کی روایت پہ اعتراض کیا تھا۔ مگر شرح مذکور دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ بات مسلم الثبوت کے مصنف نے کہی ہے نہ کہ شارح نے۔ بلکہ شارح نے مصنف مسلم الثبوت کی غلطی واضح کی ہے اور کہا ہے کہ اس اعتراض کی نسبت حضرت عائشہ کی جانب درست نہیں۔ شارح موصوف فرماتے ہیں۔

تیسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ پہ اعتراض وارد نہیں کیا تھا۔ بخلاف ازیں معترض قبن نامی ایک شخص تھا جس کا صحابی ہونا بھی ثابت نہیں۔

شارح مسلم الثبوت نے تیسیر کی جس عبارت کا ذکر کیا ہے۔ وہ ابن امیر الحاج کی کتاب التقریر سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں:

> ہمارے شیخ محترم فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ کی جانب جس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ وہ کتب حدیث میں کہیں موجود نہیں۔ دراصل اس کا قائل قبن اشجعی ہے۔ سعید بن منصور نے حضرت ابوہریرہؓ سے سابق الذکر حدیث روایت کی اور پھر قبن اشجعی کے اعتراض کا ذکر کیا۔ یہ سن کر۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا، "خدا تیرے شر سے بچائے" ابن مندہ نے قبن کو صحابہ میں شمار کیا ہے

اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ ابو سلمہ نے ابو ہریرہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تعین کا ذکر بھی ہے۔ محدث ابو نعیم نے اس پر یہ گرفت کی ہے کہ اس سے تعین کا سماع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہمارے شیخ محترم نے بھی اس کی تائید و حمایت کی ہے۔"

(التقریر۔ ج ۲۔ص ۲۰۰)

مذکورہ صدر حقائق اس بات کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ اُستاذ احمد امین نے اس روایت کے پیش کرنے میں دو علمی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے :

(۱) اس کی نسبت شارح مسلم الثبوت کی جانب کی۔ حالانکہ یہ مصنفِ مُسلّم کا قول ہے۔

(۲) احمد امین نے یہ ذکر نہیں کیا کہ شارح مسلم الثبوت نے مصنفِ مسلم الثبوت کی غلطی واضح کردی اور واقعہ کو صحیح طریقہ سے نقل کر دیا ہے احمد امین کے اس طرزِ عمل کی وجہ ہمارے نزدیک اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان پر ہر وقت یہ دُھن سوار رہتی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ صحابہ ایک دوسرے کو عموماً اور ابو ہریرہ کو خصوصاً جھٹلایا کرتے تھے۔ خدا تعصب و عناد کا بُرا کرے کہ اسی کی خاطر احمد امین نے پیہم غلطیوں کا ارتکاب کیا اور حضرت ابو ہریرہؓ کے خلاف یہ طومار باندھا۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ حدیثیں نہیں لکھا کرتے تھے :

احمد امین نے فجر الاسلام صفحہ ۲۶۸ پر حضرت ابو ھریرہ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس میں ابو ھریرہ منفرد نہیں تھے۔ بلکہ تمام راویان حدیث صحابہ کا طریق کار یہی تھا۔ صرف عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنے صحیفہ میں حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے حدیث کی تاریخ جاننے والے تمام اہل علم آگاہ ہے۔ احمد امین نے فجر الاسلام میں بذاتِ خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

احمد امین لکھتے ہیں :۔

"عصر اول میں تدوین حدیث کا رواج نہ تھا۔ صحابہ اپنے حافظہ کی مدد سے زبانی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ جو لوگ حدیثیں لکھتے تھے، وہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے لکھتے تھے۔

(فجر الاسلام۔ صفحہ ۲۷۲)

احمد امین کا اشارہ ان تابعین کی طرف ہے جو قرن اوّل میں حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اپنے ایک صحیفہ میں احادیث تحریر کر لیا کرتے تھے۔ پھر اس میں ابو ھریرہ کی تخصیص کے کیا معنی؟ ایک معروف اور مسلمہ بات کو دُھرانے کا کیا مطلب؟ احمد امین کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ابو ہریرہ کی روایت کردہ احادیث کو مشکوک ثابت کیا جائے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابو ہریرہ چونکہ حدیثیں نہیں لکھا کرتے تھے، بلکہ اپنے حافظہ کی مدد سے روایت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حافظہ سے ہر وقت سہو و خطاء کا احتمال رہتا ہے اس لیے ابو ھریرہ کی ذکر کردہ احادیث مشکوک ہیں۔

احمد امین کا حتمی و قطعی ارادہ یہی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ نے ابو ہریرہؓ کی امانت و صداقت ان کی قوتِ حافظہ اور حدیث کی حفظ و روایت میں تمام صحابہ پر برتری کا جو اقرار و اعتراف کیا ہے۔ اس کو دانستہ نظر انداز نہ کرتے۔ بقول امام بخاری ابو ہریرہؓ کے اہل علم تلامذہ کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے۔

اگر احمد امین علماء کے وہ اقوال ذکر کر دیتے جو ابو ہریرہ کی مدح و ستائش میں ان سے منقول ہیں تو ابو ہُریرہ کو ھدفِ طعن نہ بناتے۔ اس لیے کہ حدیث کا راوی جب حافظ صادق اور بیدار مغز ہو اور اہل علم اس کی امانت و دیانت پر بھروسہ بھی کرتے ہوں تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کتاب سے دیکھ کر ہی حدیثیں روایت کرے۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک اس صدوق راوی کی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے جو اپنے حافظہ سے حدیثیں روایت کرتا ہو۔ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ جب دو حدیثیں باہم متعارض ہوں۔ ان میں سے ایک حدیث زبانی سُنی گئی ہو اور دوسری مکتوب ہو تو اندریں صورت مسموع روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

امام آمدی اپنی کتاب "الاحکام" میں لکھتے ہیں:

"جب راوی ایک حدیث سن کر بیان کرے اور دوسرا تحریر کردہ حدیث روایت کرے تو سُنی ہوئی روایت قابل ترجیح ہو گی۔ اس لیے کہ مسموع روایت میں تصحیف اور غلطی کا احتمال کم ہوتا ہے۔" (الاحکام، ج ۴۔ ص ۳۳۳)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کتابت حدیث کو اس لیے ناپسند کرتی تھی کہ

مبادا رُواۃِ حدیث تحریر پر بھروسہ کرنے لگیں اور ان کا حافظہ کمزور پڑ جائے۔

امام ابن عبدالبر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں بسند خود ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں:

"لکھا نہ کرو کہ تم لکھنے پر بھروسہ کرنے لگو گے۔ جو آدمی بھی کوئی تحریر لکھتا ہے۔ وہ اس پر بھروسہ کر لیتا ہے" (جامع بیان العلم، ج ۱۔ ص ۶۸)

ابن عبدالبرؒ امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں:۔

"یہ علم اس وقت تک باعزت رہا جب تک لوگ اسے بالمشافہہ دوسروں سے مل کر نقل و روایت کرتے رہے۔ جب کتابوں میں قلمبند ہو گیا تو اس کا نور جاتا رہا اور نالائق لوگ اس کے حامل بن گئے"۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:۔

"جو لوگ کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے مثلاً ابن عباس شعبی زہری نخعی قتادہ اور ان کے ہمنوا یہ فطری حافظ تھے اور سماع پر اکتفاء کرتے تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے" میں بقیع کے مقام پر سے گزرتا اور اپنے کان بند کر لیتا کہ ان میں کوئی فضول بات داخل نہ ہو۔ بخدا میرے کانوں میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی جسے میں بھول گیا ہوں"۔ شعبی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ سب لوگ خالص عرب تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ہم ایک ان پڑھ اُمت ہیں، ہم حساب و کتاب نہیں جانتے"۔ قوت حافظہ عربوں کی عظیم خصوصیت ہے۔ عرب صرف ایک مرتبہ ایک لمبا قصیدہ سن کر اس کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ صرف ایک دفعہ سُنا تھا جو اُن کو یاد ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ کتب ادب و تاریخ میں مذکور ہے" (جامع بیان العلم)

تحدیث بلا سماع:

احمد امین نے حضرت ابوہریرہؓ پر یہ الزام بھی عائد کیا ہے کہ آنحضورؐ سے براہ راست حدیثیں سنے بغیر بھی وہ حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ مثلاً ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا "جو شخص حالتِ جنابت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے اس پر تبصرہ کرتے

ہوئے فرمایا :۔

"رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بحالتِ جنابت صبح کرتے تھے۔ پھر غسل فرماتے حالاں کہ آپ روزہ سے ہوتے تھے۔"

ابوہریرہؓ نے یہ سن کر کہا :۔

"حضرت عائشہؓ کو مجھ سے زیادہ علم ہے۔ یہ حدیث میں نے براہِ راست آنحضورؐ سے نہیں سنی تھی۔ بلکہ فضل بن عباسؓ سے سنی تھی۔" (فجر الاسلام، ص ۲۶۹)

احمد امین کے وارد کردہ اعتراض پر دو طرح سے گفت گو کی جا سکتی ہے۔

(۱) جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ابوہریرہؓ بعض ایسی باتوں کو آنحضورؐ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے جو انہوں نے براہِ راست آپ سے نہیں سنی تھیں تو ابوہریرہ اس میں منفرد نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں بیشتر صغیر السن اور متاخر الاسلام صحابہ بھی اس ضمن میں ان کے ہمنوا ہیں۔ مثلاً

حضرت عائشہؓ انس براء بن عازب ابن عباس ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بکثرت احادیث دیگر صحابہ سے سنیں اور ان کو نبی کریمؐ کی جانب منسوب کر دیا۔ چونکہ صحابہ ایک دوسرے کو عادل اور صادق القول تصوّر کرتے تھے اس لیے ان سے شنیدہ احادیث کو رسول کریم کی جانب منسوب کرنے میں وہ کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں :۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ :۔

اِنَّمَا الرِّبَا فِی النَّسِیئَۃِ۔ ربا صرف اُدھار میں ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث یہ روایت کی کہ :۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکنے تک تلبیہ کہتے رہے۔"

جب پہلی حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ یہ حدیث میں نے اُسامہ بن زید سے سنی تھی۔ (بخاری)

دوسری حدیث کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث میں نے فضل بن عباس سے سُنی تھی۔

(الاحکام، امام آمدی، ج ۱۔ ص ۲۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کسی کی نماز جنازہ

پڑھے اس کو ایک قیراط (ایک پیمانہ) اجر ملے گا۔ دوسری مرتبہ حضرت عبداللہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو اس کو ابوہریرہؓ کی جانب منسوب کر دیا۔ (حوالہ مذکور) خادم رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ کا یہ قول ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا :۔

"ہم جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ہم نے وہ سب کی سب آپ سے براہ راست نہیں سنی تھیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ ہم ایک دوسرے کو جھٹلایا نہیں کرتے تھے"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

"ہم نے سب احادیث آنحضورؐ سے بلاواسطہ نہیں سنی تھیں بلکہ صحابہ سے سن کر روایت کیں۔ اونٹ چرانے کی وجہ سے ہم ہر وقت آپ کی مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے"

ایسی روایات کو علماء نے حدیث مراسیل صحابہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو اجماعاً حجت ہیں۔ البتہ ابو اسحٰق اسفرائینی ان کو قابل احتجاج قرار نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ صحابی نے یہ حدیث رسول کریمؐ سے نہیں بلکہ تابعی سے روایت کی ہو۔ یہ قول اس لیے مردود ہے کہ اس کے خلاف علمائے حدیث و اصول کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

محدث ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

"حدیث مرسل کے انواع میں ہم نے ایسی احادیث کو شامل نہیں کیا جن کو اصول الفقہ کی اصطلاح میں مراسیلِ صحابہ کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عباس اور دیگر نوخیز صحابہ کی بیان کردہ احادیث جن کو وہ رسول کریم سے روایت کرتے ہیں حالانکہ انھوں نے بلاواسطہ وہ احادیث آپ سے نہیں سنیں۔ کیونکہ ایسی روایات موصول و مسند احادیث کا حکم رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوعمر صحابہ نے یہ احادیث معمر صحابہ سے نقل و روایت کی ہیں اور کسی صحابی کا نام نہ ذکر کرنے سے حدیث میں کچھ نقص واقع نہیں ہوتا کیوں کہ صحابہ عدول ہیں" (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۶)

علامہ عراقی مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

"محدثین نے اگرچہ مراسیل صحابہ کا ذکر کیا ہے مگر وہ ان سے احتجاج کرنے کے سلسلہ میں

مختلف الرائے نہیں ہیں۔ البتہ علمائے اصول کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ استاذ ابواسحاق اسفرائینی مراسیل کو ناقابل استناد قرار دیتے ہیں۔ بخلاف ازیں دیگر اہل اصول پورے جزم و وثوق کے ساتھ ان سے احتجاج و استدلال کو درست خیال کرتے ہیں۔"

امام نووی حجیتِ مرسل میں علماء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"یہ جملہ اختلافات مراسیل صحابہ کے علاوہ دیگر مرسل احادیث کے ضمن میں پائے جاتے ہیں۔ باقی رہیں مراسیلِ صحابہ تو ان کے بارے میں صحیح مشہور اور ہمارے اصحاب اور جمہور اہل علم کا حتمی و قطعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ قابلِ احتجاج ہیں۔ مرسل صحابی کی مثال یہ ہے کہ صحابی کسی ایسے فعل کا ذکر کرے جو آنحضورؐ نے انجام دیا ہو اور وہ صحابی کم عمر یا متاخرالاسلام ہونے یا کسی اور وجہ سے بچشم خود اسے دیکھ نہ سکا ہو۔ جملہ محدثین جو قبولیت حدیث کے لیے صحیح کی شرط لگاتے ہیں اور حدیث مرسل کو حجت نہیں سمجھتے مراسیلِ صحابہ سے بالاتفاق اخذ و احتجاج کرتے اور ان کو احادیث صحیحہ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں لاتعداد مراسیل صحابہ موجود ہیں۔ البتہ ہمارے اصحاب میں سے ابواسحٰق اسفرائینی مراسیل صحابہ کو حجت نہیں مانتے اور ان کو دیگر مراسیل کی صف میں شامل کرتے ہیں بجز اس صورت کے جب کہ صحابی صراحتہً یہ کہے کہ "میں وہی احادیث مرسلاً بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول کریمؐ یا کسی دوسرے صحابی سے سنی ہیں۔" ابو اسحاق نے عدم حجیت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ صحابہ بعض اوقات تابعین وغیرہم سے بھی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں صحیح تر مسلک یہ ہے کہ مراسیل صحابہ علی الاطلاق قابل احتجاج ہیں۔ اس لیے کہ صحابہ شاذ و نادر حالات ہی میں تابعین وغیرہم سے حدیث روایت کرتے ہیں اور جب وہ غیر صحابہ سے روایت کرتے ہیں تو اس کی تصریح کر دیتے جب صحابہ علی الاطلاق کوئی مرسل روایت بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ صحابہ ہی سے منقول ہوتی ہے اور صحابہ سب کے سب عدول ہیں۔"

(المجموع شرح المہذب۔ ج ۱۔ ص ۶۲)

یہ ہیں مراسیل صحابہ سے متعلق علماء کے اقوال! اب ان سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی کہ: مراسیل ابی ہریرہ جن کو احمد امین نے ہدفِ تنقید بنایا ہے ان کی حقیقت کیا ہے اور آیا وہ قابل قبول ہیں یا نہیں؟

اُستاذ احمد امین نے حضرت ابو ہریرہ کی جس روایت کو یہاں مثال کے طور پر پیش کیا ہے اس پر کئی طرح گفتگو کی جا سکتی ہے۔

(الف) اس ضمن میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ مستند کتب میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا در اصل واقعہ صرف اتنا تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھ لے اور طلوع فجر تک غسلِ جنابت نہ کر سکے تو اس کے روزہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ جب یہ سوال حضرت عائشہ و اُم سلمہ رضی اللہ عنہما سے کیا گیا تو دونوں نے بالاتفاق ایسے شخص کے روزہ کو درست قرار دیا۔ اور فرمایا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں صبح کرتے تھے اور آپ روزہ سے ہوتے تھے۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ اُن کے فتویٰ سے آگاہ ہوئے تو اپنے نظریہ سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ وہ دونوں محترمات مجھ سے بڑھ کر علم رکھتی ہیں۔

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ اس واقعہ کا تعلق ایک شرعی فتویٰ سے ہے ہر مفتی نے وہی فتویٰ دیا جو اس کے علم کی حد تک درست اور رسول کریمؐ سے ثابت تھا۔ اس میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ابو ہریرہ کی تردید کی تھی۔ اس ضمن میں اب ہم امام مسلم رحمہ اللہ کی تصریحات ذکر کرتے ہیں۔

امام مسلم نے بسندِ خود ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے سُنا کہ جو شخص حالت جنابت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ میں نے اپنے والد سے اس فتوے کا ذکر کیا۔ وہ حضرت عائشہ و اُم سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی ان کے ہمراہ گیا۔ دونوں نے کہا کہ آنحضورؐ حالت جنابت میں صبح کیا کرتے تھے۔ اور آپ روزہ سے ہوتے تھے۔ ہم نے مروان کے یہاں جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ مروان نے کہا "میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ ابو ہریرہؓ کے یہاں جا کر ان کے فتویٰ کی تردید کیجئے" چنانچہ ہم ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور حقیقتِ حال عرض کی۔ ابو ہریرہ نے دریافت کیا کیا حضرت عائشہ و اُم سلمہؓ نے یوں فرمایا ہے ؟ میرے والد نے اثبات میں جواب دیا۔ ابو ہریرہ نے کہا وہ دونوں مجھ سے بڑھ کر عالم ہیں۔ دراصل میں نے یہ بات فضل بن عباس سے سُنی تھی براہ راست رسول کریمؐ سے نہیں سُنی۔ چنانچہ ابو ہریرہ نے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا۔

یہ ہیں امام مسلم رحمہ اللہ کی تصریحات! ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ابو ہریرہؓ کی تردید نہیں کی تھی۔ چنانچہ شارح مسلم الثبوت نے بھی صراحۃً اس صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ صاحب مسلم الثبوت نے مذکورہ صدر واقعہ "سفر السعادۃ" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ شارح مسلم الثبوت لکھتے ہیں کہ مصنف کا بیان کردہ واقعہ بجائے خود صحیح ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ نے حضرت ابو ہریرہ کی تردید و تکذیب کی تھی۔ شارح مذکور مزید فرماتے ہیں کہ مسلم الثبوت کے حاشیہ میں بیان کردہ یہ بات درست نہیں کہ حضرت عائشہ نے ابو ہریرہ کی حدیث کو ماننے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ شارح کہتے ہیں کہ یہ بات بناء الفاسد علی الفاسد کی مصداق ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے صرف آنحضورؐ کا فعل نقل کیا تھا۔ اس کو تردید و تکذیب پر محمول کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز موجود نہیں۔

(شرح مسلم الثبوت، ج ۲۔ ص ۱۲۵)

مذکورہ صدر بیان پڑھیے اور احمد امین کے رویہ پر سر دُھنیے۔ احمد امین نے شارح مسلم الثبوت کے موقف سے نہ صرف چشم پوشی اختیار کی بلکہ یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے حضرت عائشہ کے ابو ہریرہ پر معترض ہونے اور ان کی تردید کرنے کی نفی کی ہے۔ حیرت بالائے حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس سے بڑھ کر احمد امین نے شارح مسلم الثبوت کی طرف تردید و انکار کو منسوب کیا ہے۔ پھر اُس طرفہ پر طرہ یہ کہ احمد امین نے فجر الاسلام کے کئی مقامات پر اسی طرح کیا ہے۔ یہ علمی بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے ؟

(ب)۔ بفرض محال اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت عائشہ نے ابو ہریرہ کی روایت کو تسلیم نہیں کیا تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ کی تکذیب کی تھی۔ بخلاف ازیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس روایت سے آگاہ نہ تھیں بلکہ ان کو جو مسئلہ معلوم تھا وہ ابو ہریرہ کی روایت کے برعکس تھا۔ گویا حضرت عائشہ کے دیگر استدراکات کی طرح یہ بھی ایک استدراک ہے۔

ایسے استدراکات حضرت عائشہ نے دیگر صحابہ کبار مثلاً حضرت عمر ان کے بیٹے عبداللہ وابوبکر و علی و ابن مسعود وابن عباس و زید بن ثابت وابو سعید خدری وغیرہم رضی اللہ عنہم پر بھی کیے تھے۔ صحابہ ایک دوسرے پر علمی گرفت کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ اس کو ایک دوسرے کی تکذیب قرار نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس کا مقصد دوسرے کے معلومات کی تصحیح کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ علمی امانت کی ادائیگی بھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"جو شخص کسی علمی بات کو چھپائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام دیں گے۔"

(ابوداؤد و ترمذی)

(ج)۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اس حدیث کو مرفوعاً روایت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہ ان کا ذاتی فتویٰ تھا۔ بہت کم روایات ایسی ہیں جن میں اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔ بعض طُرق میں وارد ہوا ہے کہ ابوہُریرہ نے اس حدیث کی نسبت فضل بن عباس کی طرف کی۔ اور بعض میں اُسامہ بن زید کی طرف۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مجھے فلاں و فلاں شخص نے بتایا اس سے معلوم ہوا کہ ابوہُریرہؓ نے یہ حدیث فضل بن عباس اور اُسامہ سے سُنی تھی مگر بعض راویوں نے صرف اُسامہ کا ذکر کیا۔ راویوں سے یہ غلطی بکثرت سرزد ہو جایا کرتی ہے۔

(د)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابوہریرہؓ نے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ یا تو اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت دوسری روایات کے مقابلہ میں راجح ہے۔ دیگر یہ کہ اس میں بحالت جنابت صبح کرنے کا جواز صراحتہً مذکور ہے۔ بخلاف ازیں دیگر روایات میں یہ احتمال موجود ہے کہ شاید غسل قبل از فجر کا حکم استحباباً دیا گیا ہے نہ کہ فرضاً۔ یہی بات اس دن کے روزہ کی ممانعت کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ نہی تنزیہی ہے۔ یا اس لیے کہ ابوہُریرہ نے حضرت عائشہ کی روایت کو دیگر روایات کی ناسخ قرار دیا ہو۔ اکثر علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔ بعض تابعین مسلک ابی ہُریرہ کے پیرو تھے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کیا ہے۔ پھر آگے چل کر یہ اختلاف جاتا رہا اور اس امر پر اجماع منعقد ہو گیا کہ حالتِ جنابت میں صبح کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ امام نووی نے پورے

جزم و وثوق سے یہ بات کہی ہے۔"   (فتح الباری، ج ۴۔ ص ۱۱۸)

جو شخص مسئلہ زیرِ قلم میں حق و صدق کا طالب ہو اس کے لیے جادۂ صدق و صواب یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ اس میں ذاتی غرض و مفاد کو کوئی دخل نہیں۔

صحابہ ابوہریرہ کی مرویات کو تسلیم نہیں کرتے تھے:

احمد امین لکھتے ہیں:۔

"بعض صحابہ کثرتِ مرویات کی بناء پر ابوہریرہ پر تنقید کرتے اور ان کی روایت کردہ احادیث کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے کہا "تمہارا خیال ہے کہ ابوہریرہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔ بخدا! میں ایک مسکین شخص تھا اور صرف اپنا پیٹ بھر کر رسول کریم کی خدمت کرنے کے سوا میرا کوئی کام نہ تھا۔ مہاجرین تجارتی کاموں میں لگے رہتے اور انصار کو اپنے مال کی دیکھ بھال سے فرصت نہیں ہوتی تھی" صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابوہریرہؓ نے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔ جب کہ مہاجرین و انصار اس قدر زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتے۔ خدا شاہد ہے کہ میرے بھائی انصار اپنی زمینوں میں لگے رہتے تھے۔ مہاجرین کو تجارتی کاموں سے فرصت نہیں ہوتی تھی۔ ادھر میری حالت یہ تھی کہ صرف اپنا پیٹ بھر کر آنحضور کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ جب مہاجرین و انصار غیر حاضر ہوتے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور جب وہ آپ کے فرمودہ اقوال کو بھول جاتے تو میں انہیں یاد رکھتا۔"   (فجر الاسلام، ص ۲۶۹)

احمد امین کی نقل کردہ عبارت ماسوا چند الفاظ کے بالکل وہی ہے جو گولڈزیہر نے تحریر کی ہے۔

گولڈزیہر لکھتا ہے:۔

"کچھ یوں دکھائی دیتا ہے کہ ابوہریرہ احادیث نبویہ کا جو وسیع علم رکھتے تھے اور جو ہر وقت ان کے پاس موجود رہتا تھا ان لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا موجب ہوا جو براہِ راست ان سے حدیثیں اخذ کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ

یہ ہُوا کہ وہ ان شکوک کا اظہار انتہائی تمسخرانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ (اس سے گولڈزیہر نے ان دونوں حدیثوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جن کو احمد امین نے امام مسلم سے نقل کیا ہے)۔" (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱۔ ص ۴۰۸)

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ کہ احمد امین کے شکوک و مطاعن کا اصل ماخذ گولڈزیہر کی نگارشات ہیں اور بس۔ مگر دونوں (استاد و شاگرد) کے مابین ایک نمایاں فرق بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ گولڈزیہر نے شک کی نسبت ان تابعین کی جانب کی ہے جو براہِ راست حضرت ابوہریرہ سے کسبِ فیض کیا کرتے تھے۔ مگر احمد امین نے اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر شک کی نسبت بعض صحابہ کی جانب کی ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ احمد امین کی نیش زنی گولڈزیہر کی نسبت زیادہ ضرر رساں اور خطرناک ہے۔ اور یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی اساس پر مؤلفِ فجر الاسلام کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

بہرکیف احمد امین نے ابوہریرہ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا اور ابوہریرہ نے اپنی جانب سے جو دفاع کیا اس میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی۔ جس سے ابوہریرہ کو مطعون کیا جا سکے اور ان کی صداقت مشکوک ہو کر رہ جائے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوہریرہ متاخر الاسلام ہونے کے باوجود کثیر الروایۃ صحابہ کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ آنحضورؐ کی صحبت میں رہتے تھے۔ جہاں آپ جاتے ابوہریرہ ساتھ جاتے۔ جب آنحضورؐ نے وفات پائی تو ابوہریرہ کبار صحابہ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

حدیث نبوی کے ساتھ ابوہریرہ کی جو وابستگی و دلبستگی تھی یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اس امر کی شہادت دی ہے کہ ابوہریرہ حدیث رسول کے سب صحابہ سے بڑھ کر حریص ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے عصر و عہد میں جب صحابہ ادھر اُدھر مختلف بلاد و امصار میں پھیل گئے تو ابوہریرہ نے اس علمی امانت کا تقاضا یہ محسوس کیا کہ اس کو ہر حال میں امت مسلمہ تک پہنچا دیا جائے۔ اس کو ظاہر نہ کرنے کی صورت میں انہیں کتمانِ حق کے جرم میں ملوث ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ ابوہریرہ نے بخاری و مسلم کی ایک روایت کے مطابق بذاتِ خود اس کی تصریح کی ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

"اگر قرآن مجید کی دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ پھر سورہ بقرہ کی آیات تلاوت کیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے ——— " جو لوگ ہدایت اور ان دلائل کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا۔ اس کے بعد کہ ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کے لیے واضح کر دیا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور لعنت بھیجنے والے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں۔ اور ان کو واضح کر دیں میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کروں گا۔ اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں"۔

(البقرۃ: ۱۵۹-۱۶۰)

یہ ایک طبعی امر تھا کہ ابوہریرہ ایک سمندر کی روانی کے ساتھ، جس کثرت کے ساتھ حدیثیں روایت کرتے تھے اس سے بعض تابعین اور ان صحابہ کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں، جو مدینہ سے دور بود و باش رکھتے تھے۔ خصوصاً جب کہ آپ متاخر الاسلام بھی تھے۔ کچھ بعید از قیاس نہ تھا کہ وہ پکار اُٹھتے کہ ابوہریرہ کثرتِ احادیث میں کیوں منفرد ہیں؟ اور دوسرے صحابہ اس سے کیوں کر بہرہ ور نہیں؟

یہ ایک سوال تھا جو ان کے ذہنوں پر وارد ہوتا تھا اور جس کو وہ ابوہریرہ پر عائد کرتے تھے۔ مگر کسی شک و تکذیب کی بناء پر نہیں بلکہ اس حیرت و استعجاب کو دور کرنے کے لیے جو ان کے نفوس میں پیدا ہوتا تھا۔ اور جب ابوہریرہ حقیقتِ حال واضح کرتے تو وہ مطمئن ہو کر خاموشی اختیار کر لیتے۔ پھر احمد امین کی یہ بات کیوں کر درست ہو سکتی ہے کہ صحابہ عام طور سے ابوہریرہ کو تنقید شدید کا نشانہ بناتے تھے؟ اور پھر ابوہریرہ کے حفظ و صداقت میں شک و شبہ کی کیا گنجائش باقی رہی؟ ذکر کردہ حدیث میں ابوہریرہ کی کثرتِ روایت پر صرف اظہار تعجب کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اظہار حیرت کرنے سے تکذیب کیونکر لازم آئی؟

بعض اوقات ایک گہرا دوست جس کی صداقت بیانی شک و شبہ سے ... بالا ہوتی ہے۔ ایک عجیب واقعہ بیان کرتا ہے اور آپ اس پر حیرت و دہشت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ اس کو جھٹلاتے ہیں۔ بخلاف ازیں آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا دوست معاملہ کی اصل حقیقت واضح کر کے آپ کے تعجب کا ازالہ کرے۔ ابوہریرہؓ کے ساتھ بھی بالکل یہی واقعہ پیش آیا

جب ابوہُریرہؓ نے کثرتِ احادیث کی وجہ بتائی تو صحابہ نے بخوشی خاطر اس کو قبول کر لیا۔ اگر صحابہ ان کی تکذیب پر آمادہ ہوتے یا ان کی صداقت و ثقاہت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوتے تو وہ ابوہُریرہؓ کی اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے کہ "میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سُنا جو تم نے نہیں سُنا مجھے یاد رہا اور تم بھول گئے۔"

مزید برآں اگر صحابہ ابوہُریرہؓ کی مرویات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوتے تو وہ ان کو اس بات کی اجازت کیوں کر دے سکتے تھے کہ وہ کھلم کھلا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں روایت کرنے کا مشغلہ جاری رکھیں۔ نیز یہ کہ اندریں صورت ابوہریرہؓ کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بے باک حق پرست کی سزا سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی غیرت مند خاتون اس پر کیوں کر خاموش رہ سکتی تھیں جن کی حق پسندی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عثمان کا انتقام لینے اور حضرت علیؓ کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر یہ کہ صحابہ کبار کے لیے اس کو صبر و سکون کے ساتھ سُننا اور برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ حالانکہ ابوہریرہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ بقید حیات تھے۔ صحابہ کی دینی غیرت کا یہ عالم تھا کہ حدیث میں غلطی کا ارتکاب کرنے والے کو وہ فوراً ٹوک دیتے تھے۔ وہ عمر فاروقؓ یا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ہی کیوں نہ ہوں پھر وہ حدیث میں اضافہ یا دروغ بافی کرنے والے کو کیوں کر معاف کر سکتے تھے؟

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ تھے جو حضرت ابوہریرہؓ پر معترض ہوتے اور آپ نے ان کو مخاطب کر کے جواب دیا؟ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نہ تو چیدہ و برگزیدہ صحابہ کرام میں شامل تھے اور نہ ان کو اسلام میں سبقت کرنے اور عرصہ مدید تک آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بخلاف ازیں میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ وہ سرے سے صحابہ میں شامل ہی نہ تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"یہ کیا بات ہے کہ مہاجرین و انصار ابوہُریرہ کی طرح زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتے؟"

اگر اعتراض کرنے والے مہاجرین و انصار میں سے ہوتے تو وہ ابوہریرہ کو مخاطب کر کے یوں کہتے کہ "ہم ابوہُریرہ کی طرح کس لیے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتے؟"

مزید برآں حضرت ابوہریرہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میرے مہاجرین و انصار بھائی کام کاج میں لگے رہتے تھے"۔ اور اگر تنقید کرنے والے خود مہاجرین و انصار ہوتے تو آپ ان سے یوں مخاطب ہوتے :

"تم تجارت و زراعت میں لگے رہتے تھے"۔

علاوہ ازیں بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہ کے یہ الفاظ ہیں کہ "جو باتیں میں یاد رکھتا وہ بھول جاتے"۔

اگر صحابہ خود معترض ہوتے تو ابوہریرہ ان سے یوں کہتے کہ "تم بھول جاتے"۔

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ حقیقت مجھ پر کھلی ہے۔ جب میں نے ابوہریرہ کے سیر و سوانح کی طلب و تلاش میں انتہائی جانفشانی سے کام لیا کہ کسی ایک صحابی کا نام ہی مل جائے۔ جس نے ابوہریرہ کو کثرتِ روایات کی بناء پر مطعون کیا ہو۔ تو میں نے حافظ ابن حجر کی الاصابہ میں مندرجہ ذیل واقعہ پایا :

"ابن سعد نے بطریق ولید بن رباح روایت کیا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت حسنؓ کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کرنا چاہا تو ابوہریرہ نے مروان سے کہا "تم ایسی بات میں دخل دیتے ہو جس سے تمہیں کچھ سرو کار نہیں۔ تمہارا مقصد اس شخص کو راضی کرنا ہے جو موجود نہیں" اس وقت امیر مدینہ مروان کے علاوہ کوئی اور شخص تھا۔ مروان یہ سن کر ناراض ہوا اور کہا "لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بکثرت احادیث روایت کرتا ہے"۔

ظاہر ہے کہ مروان ایک تابعی تھا (صحابی نہ تھا) اور یہ واقعہ عہدِ رسالت کے بہت بعد وقوع پذیر ہوا۔ اور وہ بھی اس حالت میں جب مروان غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ مزید یہ کہ مروان نے اس بات کو عام لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اگر شک میں مبتلا ہونے والے خود صحابہ ہوتے تو وہ کسی نہ کسی طرح ابوہریرہ کو اس سے ضرور آگاہ کرتے اور ابوہریرہ کسی موقع پر یہ بات مروان کے گوش گزار کر دیتے۔

احمد امین اور منکرین حدیث کو کھلا چیلنج :

بہرکیف حضرت ابوہریرہ نے خود اپنے بارے میں جو کچھ فرمایا ——— اور کسی دوسرے شخص کی روایت اس ضمن میں ہمیں آج تک نہیں مل سکی ——— اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر تنقید کرنے والے مشاہیر صحابہ میں سے تھے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو تاریخ کے اوراق میں یہ بات ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتی جس طرح صحابہ کی باہمی ردّ و قدح کا ذکر کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ ہم احمد امین اس کے مستشرقین اساتذہ اور روئے زمین کے تمام منکرین حدیث (اس میں پاکستان کے منکرین سنت بھی شامل ہیں) کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی صحیح تاریخی شہادت پیش کریں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کسی معروف صحابی نے یہ بات کہی ہو۔ یا کسی صحابی نے ابوہریرہ کی دروغ گوئی کا ذکر کر کے ان کو حدیثیں روایت کرنے اور دوسروں کو ان کی مرویات سننے سے روکا ہو۔ مگر یہ بات وہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ بخلاف ازیں تاریخ کے قطعی و حتمی دلائل سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ صحابی علی العموم ابوہریرہ کی قوتِ حافظہ کے معترف تھے۔ اور ان کے کثیر الروایات ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ گاہے ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہؓ و ابن عمرؓ ابوہریرہ کی بعض مرویات پر اظہارِ حیرت کرتے مگر ان کی علمی جامعیت کا اعتراف کر کے جلد ہی ان احادیث کو تسلیم کر لیتے اور اپنی علمی کوتاہی کا اقرار کرتے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی کہ "جو جنازہ کے ساتھ جائے اسے ایک قیراط (ایک خاص پیمانہ) اجر و ثواب ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سن کر کہا" ابوہریرہؓ نے ہم پر بہت زیادتی کی ہے" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا ابوہریرہ ٹھیک کہتے ہیں" یہ سن کر ابن عمر بولے "پھر تو ہم نے بہت سا ثواب کھو دیا" پھر یہی روایت ابن عمر خود بیان کرنے لگے اور کہتے کہ میں نے ابوہریرہ سے یہ حدیث سنی ہے" ابن عمر ابوہریرہ کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے۔

"تم آنحضورؐ کے وابستہ دامن رہا کرتے تھے اور اس لیے ہم سے بڑھ کر حدیث داں ہو"

محمد بن عمارہ بن حزم ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ چند اکابر صحابہ بھی تشریف فرما تھے۔ اندریں اثنا ابوہریرہؓ حدیثیں بیان کرنے لگے۔ صحابہ ان کو دھراتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے۔ بعد ازاں، ابوہریرہ بھی اسی طرح وہ حدیث ان کو سنا دیتے۔ کئی مرتبہ یونہی ہوا۔ محمد بن عمارہ کا بیان ہے مجھے

اس روز پتہ چلا کہ ابوھریرہ سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں۔

(بخاری فی التاریخ والبیہقی فی المدخل)

احناف کا ہے ابوہریرہؓ کی روایت تسلیم نہیں کرتے:

احمد امین لکھتے ہیں :-

"حنفیہ بعض اوقات ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث کو جب کہ وہ خلاف قیاس ہو تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً ابوہریرہ کی یہ روایت کہ رسول کریم نے فرمایا کہ اونٹنی اور بکری کا دودھ تھنوں میں روکا نہ کرو جس نے کوئی ایسا مویشی خریدا جس کا دودھ تھنوں میں روکا گیا ہو تو دوہنے کے بعد اسے دو باتوں کا اختیار ہے اگر وہ مویشی اسے پسند ہو تو رکھ لے۔ اور اگر ناپسند ہو تو اسے واپس کر دے اور (جو دودھ اس نے پیا ہے اس کے عوض) کھجوروں کا ایک صاع بھی فروخت کنندہ کو دے دے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ فقیہ نہ تھے۔ یہ حدیث خلاف قیاس ہے۔ اس لیے کہ دودھ دوہنا بائع کے خلاف ایک طرح کی زیادتی ہے اور زیادتی کی ضمانت بالمثل ہونی چاہیے یا بالقیمۃ مگر کھجوروں کا صاع نہ قیمت میں شامل ہے اور نہ دودھ کی مثل ہے۔

(فجر الاسلام، ص ۲۶۹)

مذکورہ صدر عبارت میں مولف فجر الاسلام نے تین باتوں کا دعویٰ کیا ہے۔

(۱) جب حدیث اور قیاس باہم متعارض ہوں تو حنفیہ قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) حنفیہ نے ابوہریرہ کی مذکورہ صدر حدیث میں قیاس کو ترجیح دی ہے۔

(۳) احناف حضرت ابوہریرہ کو غیر فقیہ قرار دیتے ہیں۔

اب ہم بالترتیب امور سہ گانہ پر اظہار خیال کریں گے اور بتائیں گے کہ ان میں سے کوئی بات بھی درست نہیں ہے۔

(الف) یہ بات غلط ہے کہ حنفیہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ بخلاف ازیں امام ابوحنیفہ صاحبین اور ان کے جمہور اتباع کے نزدیک حدیث علی الاطلاق قیاس سے مقدم ہے۔ خواہ اس کا راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ۔ امام شافعی احمد اور جمہور اہل اصول کی یہی رائے ہے۔ احناف

میں سے فخر الاسلام ابن ابان اور ابو زید کا مسلک یہ ہے کہ جب راوی فقیہ ہو تو اس کی روایت قیاس کے مقابلہ میں مطلقاً مقدم ہو گی۔ اور اگر غیر فقیہ ہو تب بھی حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ الا یہ کہ وہ حدیث تمام قیاسات سے ٹکراتی ہو اور قیاس کا دروازہ اس سے بالکل مسدود ہو جاتا ہو اس کی مثال میں وہ مذکورہ صدر حدیث پیش کرتے ہیں علمائے اصول میں سے علامہ آمدی ابن حاجب اور کمال نے اس نظریہ کا اظہار کیا ہے کہ جب قیاس میں علت کا وجود راجح ہو اور علت اصل کی طرح فرع میں بھی پائی جاتی ہو تو قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر علت کا وجود اصل و فرع میں مساوی ہو تو اس میں توقف کیا جائے گا ورنہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

یہ ہیں حدیث و قیاس کے تعارض کے سلسلہ میں علماء کے اقوال! اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جمہور حنفیہ جن کے سرخیل امام ابوحنیفہ و صاحبین ہیں، حدیث کو قیاس کے مقابلہ میں مطلقاً مقدم سمجھتے ہیں خواہ راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ۔ لہٰذا احمد امین نے جو بات حنفیہ کی جانب منسوب کی ہے قطعی طور پر بے بنیاد ہے اس ضمن میں مجھے علماء اصول کے اقوال نقل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں وہ اپنی جگہ تفصیلاً مذکور ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں اس پر مزید تبصرہ کیا جائے گا۔

(ب) جو فقہاء حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں وہ ہر غیر فقیہ راوی کی روایت کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ اس میں ابوہریرہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں مسلم الثبوت اور اس کی شرح کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

"فخر الاسلام فرماتے ہیں اگر حدیث کا راوی ائمہ اربعہ یا عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص) اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح مجتہد ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ بخلاف ازیں اگر راوی عدالت و ثقاہت میں معروف ہو مگر فقیہ نہ ہو مثلاً ابوہریرہؓ و انسؓ تو اُس کی روایت کو خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اِلا یہ کہ اس کی روایت کو تسلیم کرنے سے قیاس کا دروازہ بالکل ہی مسدود ہو جاتا ہو مثلاً وہ حدیث جس میں اس مویشی کی فروختگی کا ذکر کیا گیا ہے جس کا دودھ تھنوں میں بند کر دیا گیا ہو۔"

(ج)۔ مذکورہ صدر بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ احمد امین کے صرف حضرت

ابوہریرہ کو اس ضمن میں مورد طعن بنانے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ۔ نیز یہ کہ احمد امین کا یہ قول بھی درست نہیں کہ حنفیہ ابوہریرہ کو غیر فقیہ تصور کرتے ہیں ۔ اس لیے کہ احناف میں سے صرف فخر الاسلام اور ان کے دو ساتھی اس کے قائل ہیں ۔ جب کہ جمہور حنفیہ اس ضمن میں ان کے خلاف ہیں ۔ اور ان کے اس قول کی مذمت کرتے ہیں ۔ مشہور فقیہ کمال الدین ان کا یہ قول مسلم الثبوت سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ " ابوہریرہؓ فقیہ تھے " ابن امیر الحاج فرماتے ہیں :

" حضرت ابوھریرہؓ جملہ شرائط اجتہاد کے جامع تھے ۔ وہ عہد صحابہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے ۔ اور اس زمانہ میں فتویٰ وہی شخص دیا کرتا تھا جو مجتہد ہوتا تھا ۔ ان سے آٹھ سو ۸۰۰ راویان حدیث نے روایت کی جن میں صحابی بھی تھے اور تابعی بھی ۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت ابن عباس و جابر و انس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ شامل تھے ۔ اس ضمن میں صحیح بات یہی ہے ۔ "

(التقریر، ج ۲ ۔ ص ۲۵۱ نیز التیسیر، ج ۳ ۔ ص ۵۳)

البتہ یہ بات درست ہے کہ حنفیہ اگرچہ قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح دیتے ہیں تاہم وہ حدیث زیر تبصرہ کو تسلیم نہیں کرتے ۔ اس لیے نہیں کہ وہ ابوہریرہ کی روایت کردہ ہے اور نہ یہ کہ وہ اپنے مسلمہ قاعدہ کو ترک کر دیتے ہیں ۔ بلکہ اس حدیث کو وہ ایک دوسرے قاعدہ کی اساس و بنیاد پر ترک کرتے ہیں جو نہ صرف ان کے بلکہ جمہور علماء کے نزدیک تسلیم شدہ ہے ۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ خبر واحد جب کتاب و سنت اور اجماع سے ٹکراتی ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا ۔ جب شرعی دلائل باہم متعارض ہوں تو ان میں ترجیح کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے جو قوی تر ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ کتاب و سنت اور اجماع کا مدلول و مفہوم خبر واحد کے مقابلہ میں بہر حال اقویٰ ہو گا ۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی زیر تبصرہ روایت حنفیہ کے نزدیک کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف ہے ۔ اس لیے وہ معمول بہا نہیں ہو سکتی ۔ حنفیہ نے اس حدیث کے متعدد و مختلف جواب دیے ہیں ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے چھ جوابات نقل کیے ہیں ۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ سے یہی منقول ہے ۔ خلاصہ یہ کہ جواب

کچھ بھی ہو حنفیہ کسی صورت میں بھی ابو ہریرہ کو مورد طعن نہیں ٹھہراتے۔ مشہور فقیہ فخر الاسلام ہی کو لیجیے جو ابو ہریرہ کو غیر فقیہ کہتا ہے تاہم وہ آپ کی عظمت و فضیلت اور امانت و صداقت کا اعتراف کرتا ہے۔ خدا کی پناہ کہ اہل علم اور خوف خدا رکھنے والوں میں سے کوئی اس کے خلاف عقیدہ رکھے۔

غالباً آپ پر حقیقت حال واضح ہو چکی ہوگی اور آپ اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ احمد امین نے مذکورہ صدر امور سہ گانہ میں فاش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟ اس کے جواب میں ہم وہ باتیں بیان کریں گے جس سے آپ پر احمد امین کی علمی امانت و دیانت اور باریک بینی کا راز آشکار ہو جائے گا۔

مسلم الثبوت کے مصنف نے ایک فصل میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ راوی میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور کن کا نہیں اس میں ذکر کیا ہے کہ مجتہد ہونا راوی کے لیے ضروری نہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اجتہاد راوی کے لیے شرط نہیں۔ مگر بعض احناف راوی کے مجتہد ہونے کی شرط اس صورت میں لگاتے ہیں جب اس کی روایت کردہ حدیث ہر لحاظ سے خلاف قیاس ہو۔"

مذکورہ صدر عبارت میں احناف سے فخر الاسلام اور ان کے ہمنوا مراد ہیں۔ شارح مسلم الثبوت نے ان کے زاویہ نگاہ کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے:

"فخر الاسلام اور ان کے ہم خیال اس کی مثال میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث "المصراۃ" پیش کرتے ہیں۔ فخر الاسلام کی تصنیف کے شارحین نے ان کے نکتہ نگاہ کی وضاحت اسی طرح کی ہے مگر ان کا نظریہ محل نظر و فکر ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے فقیہ اور مجتہد ہونے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ عہد رسالت میں اور اس کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات وہ عبداللہ بن عباس کے فتویٰ کے خلاف فیصلہ صادر کرتے تھے۔ جیسا کہ روایات صحیحہ میں وارد ہوا

ہے کہ جب حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو ابن عباس نے اس کی عدّت اَبْعَدُ الْاَجَلَین (عدت وفات اور وضع حمل میں سے جو زیادہ دُور ہو) قرار دی تھی۔ اس کے خلاف ابوہُریرہؓ نے وضع حمل کو عدّت ٹھہرایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ ابوہریرہ سے فتاویٰ دریافت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے روایت کرنے سے ان کی ثقاہت و صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا"

(شرح مسلم الثبوت، ج ۲۔ ص ۱۴۰۔ ۱۴۶)

یہ ہے شارح مسلّم الثبوت کی عبارت کا معنی و مفہوم! اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ صرف فخر الاسلام اور اس کے چند ہم خیال فقہاء کا نظریہ ہے۔ مگر حیرت ہے کہ احمد امین نے اس نظریہ کو جمیع احناف کی جانب منسوب کر دیا اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جملہ احناف ابوہُریرہؓ کو غیر فقیہ راوی قرار دیتے ہیں۔ قبل ازیں یہ کہا کہ سب حنفیہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ احمد امین نے مطلقاً یہ نہیں لکھا کہ شارح مسلّم نے ان فقہاء کی تردید کی ہے جو ابوہُریرہ کو غیر فقیہ راوی تصوّر کرتے ہیں:

اب یہاں دو باتیں ہیں تیسری صورت کا کوئی امکان نہیں۔

(۱) ۔ اُستاذ احمد امین صاحبِ مسلّم الثبوت اور شارح کے کلام کو سمجھ نہیں پائے اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ اس ضمن میں حنفیہ کا مسلک کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مختلف اقوال کو گڈمڈ کر دیا ہے اور فخر الاسلام اور ان کے ہم خیال فقہاء کے قول کو جمیع احناف کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ احمد امین نے شارح کے کلام کو بھی اسی پر محمول کیا اور جو گرفت انھوں نے ابوہریرہ کو غیر فقیہ قرار دینے والوں پر کی تھی۔ سرے سے اُس کو سمجھا ہی نہیں۔ مگر یہ بات تو ایک مبتدی سے بھی صادر نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ اُستاذ احمد امین جیسا مشہور و معروف عالم اور ادیب، معمولی سی عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہتا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اُستاذ احمد امین عبارت کو بخوبی سمجھتے تھے مگر انھوں نے دانستہ غلط مبحث سے کام لیا اور اس کی نسبت احناف کی جانب اس لیے کی کہ وہ ابوہُریرہ کے خلاف سازش کی تکمیل کر سکیں اور اپنی کتاب کے قاری کو ایک جلیل القدر صحابی سے بدظن کر سکیں

جو شخص اُستاذ احمد امین کے علم و فہم پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسی پہلو کو ترجیح دے گا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ابوہریرہ کی کثرت روایت سے وضاعین کی مقصد برآری:

جہاں تک احمد امین کے اس الزام کا تعلق ہے کہ وضاعین حدیث نے ابوہریرہ کی کثرت روایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہت سی حدیثیں وضع کر کے ان کی جانب منسوب کر دیں:

(فجر الاسلام ص ۲۷۰)

تو یہ ایک ایسی بات ہے جس میں ابوہریرہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ وضاعین نے حضرات عمر و عائشہ و ابن عباس و ابن عمر و جابر و انس وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا اور بہت سی حدیثیں وضع کر کے ان کی جانب منسوب کر دی تھیں۔

نظر بریں اس بات کا ان سے کوئی تعلق نہیں کہ بہت سے وضاعین نے لاتعداد حدیثیں گھڑ کر ان کی جانب منسوب کر دیں۔ بلکہ کسی صحابی یا تابعی کا تعارف بیان کرتے وقت اس امر کا ذکر و بیان بھی نامناسب ہے۔ بچہ حیرت ہے کہ ابوھریرہ کے ترجمہ میں احمد امین کو اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ نیز یہ کہ احمد امین نے خصوصی طور سے اس ضمن میں ابوہریرہ کا نام کیوں لیا اور حضرت عائشہؓ و دیگر صحابہ کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطالعہ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ گولڈ زیہر نے بھی حضرت ابوہریرہ پر بحث کرتے ہوئے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ گولڈ زیہر لکھتا ہے:

"بہت سی احادیث جن کو راویان حدیث نے ابوھریرہ کی جانب منسوب کیا ہے پچھلے تاریخی ادوار میں گھڑ کر ان کی جانب منسوب کی گئیں تھیں"

اس سے گولڈ زیہر کا مقصد یہ ہے کہ ابوہریرہ کی جملہ مرویات کو مشکوک بنا کر رکھ دیا جائے

چنانچہ وہ مزید کہتا ہے:

"ان احوال و ظروف کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم ابوہریرہ کی مرویات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں" (انسائیکلو پیڈیا، ج ا-ص ۴۱۸)

چونکہ گولڈ زیہر نے ابوہریرہ پر نقد و تبصرہ کرتے وقت یہی نتیجہ نکالا تھا۔ اس لیے احمد امین کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ بھی ابوہریرہ سے متعلق بحث کا خاتمہ اسی بات پر کرتے۔ اب آپ پر یہ حقیقت

روشن ہو چکی ہے کہ احمد امین کس حد تک اعداء اسلام کی پیروی اور خوشہ چینی کرتے ہیں اور اس میں وہ کس قدر مخلص نظر آتے ہیں۔ حیرت بالائے حیرت، تو اس بات پر ہے کہ وہ کس بے باکی اور جسارت سے ابو ہریرہ جیسی یگانہ و یکتا ہستی کو طعن و طنز کی آماج گاہ قرار دیتے ہیں اور اس کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جب وہ اس بات کا تذکرہ چھیڑتے ہیں کہ صحابہ باہم ایک دوسرے کی تردید کیا کرتے تھے تو مثال کے طور پر حضرت عائشہ اور ابن عباس کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ ابو ہریرہؓ کی مرویات کو تسلیم نہیں کیا کرتے تھے۔ جب ابو ہریرہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے حافظہ کی مدد سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ گویا صحابہ میں ایک ابو ہریرہ ہی تھے جو اپنے حافظہ سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ دوسرا کوئی صحابی اس طرح نہیں کرتا تھا۔

احمد امین متقدمین پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ وہ متن حدیث کو نظر انداز کر کے صرف سند سے بحث کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ بعض ایسی حدیثوں کو صحیح قرار دیتے تھے جو واقع میں صحیح نہ تھیں۔ وہ اس کی مثال میں بھی ابو ہریرہ ہی کی روایت ذکر کرتے ہیں۔ گویا دوسری کوئی حدیث ان کو مل ہی نہیں سکتی۔ جب احمد امین یہ ثابت کرنے کے درپے ہوتے ہیں کہ وضع حدیث کے کچھ نفسیاتی اسباب و وجوہ بھی تھے ہیں تو اس ضمن میں بھی ان کی نوک قلم پر صرف ابو ہریرہ اور ان کی مرویات کا نام ہی آتا ہے۔

احمد امین اس طرح بڑے نرم اور لطیف انداز میں جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ کو اپنے نرم و گرم حملوں سے گھائل کیے جاتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس ضمن میں وہ کسی تحقیق و تلاش کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ احمد امین کی یہ سب تگ و دو اور کدّ و کاوش صرف اس لیے ہے کہ ایک خواہشات کے پجاری مستشرق کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی جائے جس کا مقصد وحید ہمارے ان اسلاف کی سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنا ہے جنہوں نے دین اسلام کو ہم تک پہنچایا اور اس کی حمایت و صیانت کا فریضہ ادا کیا۔

ہم استاذ احمد امین اس کے پیش رو مستشرقین اور بعد میں آنے والے منکرین حدیث سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سینتالیس ۴۷ سال تک اکابر صحابہ کی موجودگی میں حدیثیں روایت کرتا رہا ہو۔ جو آپ کو اپنے اصحاب و ازواج سے بھی عزیز تر ہو۔

جس کو سب لوگ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اور احادیث کی پہچان حاصل کرنے میں ان کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ تابعین ہر طرف سے بھاگے بھاگے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوں۔ سعید بن المسیب جلیسا بے باک متقی اور سید التابعین جس کو اپنا داماد بنانا پسند کرے جس کے اصحاب و تلامذہ کی تعداد آٹھ سو تک پہنچ جائے اور کسی صحابی سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد اتنی نہ ہو پھر پر کہ تمام صحابہ و تابعین اس کی جلالت و ثقاہت کی شہادت دیتے ہوں۔ اور تیرہ صد سالہ تاریخ اس بات کی شاہد عدل ہو کہ کسی صحابی کو وہ مرتبہ نہیں ملا جو ابوہریرہ کے حصہ میں آیا۔

مقام افسوس ہے کہ عصر حاضر کا ایک شخص آکر یہ کہے کہ تمام اصحاب تابعین اور محدثین ابوہریرہ کو معلوم نہ کر سکے اور انہیں یہ پتہ نہ چلا کہ دراصل وہ کذاب اور مفتری تھا۔ جو شخص اس جلیل القدر صحابی کے بارے میں یہ موقف اختیار کرے گا۔ وہ خود بھی حقیر و ذلیل ہوگا اور اس کے ہمنوا بھی۔ مزید یہ کہ ایسا شخص اپنے علم و فن اور فہم و ادراک کو بھی رسوا کر کے رہے گا۔

چند منٹ ابو ریّہ (منکرِ حدیث) کے ساتھ

اب ہم ان مطاعن کا ذکر کریں گے جو ابو ریّہ نے اپنی کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیۃ" میں حضرت ابوہریرہؓ سے متعلق ذکر کیے ہیں۔ تاکہ ان کے بارے میں جو کچھ کہا جا چکا ہے وہ کھل کر سامنے آجائے۔

ابو ریّہ نے ابو ہریرہؓ کو مندرجہ ذیل نقائص و عیوب کا نشانہ بنایا ہے :۔

۱ ـــ ابو ہریرہ ایک حقیر اور کمینہ شخص تھے (نعوذ باللہ من ذالک)

۲ ـــ اس نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

۳ ـــ وہ جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

۴ ـــ وہ دنیوی مال کے بڑے حریص اور شکم پرست انسان تھے۔

۵ ـــ وہ بنو اُمیّہ کے طرف دار تھے۔

وغیر ذالک من الخرافات۔

میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ معتزلہ روافض اور قدیم و جدید مستشرقین میں سے جن لوگوں نے بھی ابو ہریرہ پر نکتہ چینی کی ہے ان سب میں ابو ریّہ زیادہ فحش گو دریدہ دہن اور گستاخ تھا۔ اس سے ابو ریّہ کے بغض و عناد اور خبث باطن کا پتہ چلتا ہے اس نے جس افترا پردازی اور تحریف سے کام لیا ہے اور ابو ہریرہ سے متعلق حقائق کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔

۱۔ ابو ہریرہؓ کے نام میں اختلاف :

ابو ریّہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں جو تہمت طرازی کی ہے اب ہم مختصراً اس کا جائزہ لیتے ہیں ـــــ ابو ریّہ لکھتا ہے :۔

"جاہلیت ہو یا اسلام آج تک کسی شخص کے نام کے بارے میں اس قسم کا اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ جیسے ابو ہریرہ کے نام میں۔ صحیح طور سے کسی شخص کو معلوم ہی نہیں کہ گھر والوں نے ان کا کیا نام تجویز کیا تھا۔ ابو ریّہ نے امام نووی سے نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں تیس اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے قطب حلبی

کہتے ہیں کہ ابوہریرہ اور ان کے والد کے بارے میں چوالیس[۴۴] اقوال وارد ہوئے ہیں"

(اضواء - ص ۱۵۲)

ابوریہ دراصل حضرت ابوہریرہ کی تحقیر کرنا چاہتا ہے - اس کا منشا یہ بتانا ہے کہ ابوہریرہ صحابہ میں اس قدر گمنام تھے کہ ان کے نام کے بارے میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا جواب حسبِ ذیل ہے

(۱) کسی آدمی کے نام میں اختلاف پیدا ہونے سے اس کی عزّت و وقعت میں کچھ فرق نہیں پڑتا آدمی کی قدر و قیمت اس کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے یا والد کے نام سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دخولِ جنت اور اُخروی مراتب و درجات کے لیے اسماء و القاب کو معیار نہیں ٹھہرایا - جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے وہ خدا کے دین سے بے بہرہ اور جاہل ہے -

(۲) بہت سے صحابہ کے نام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے - تاہم اس سے ان کے عزّ و فخار اور اسلامی خدمات میں کچھ فرق نہیں آیا -

(۳) ابوہریرہؓ کے نام میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ وہ جب سے اسلام لائے انہیں ابوہریرہ کے نام سے پکارا جاتا رہا - نام کے معلوم نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ قبائل قریش میں سے نہیں تھے تاکہ لوگ ان کے اصلی نام سے واقف ہوتے - دورِ حاضر میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو حضرت ابوبکر صدیق کے اصلی نام سے واقف ہوں - وہ ان کی کنیت سے آشنا ہیں اور بس - اس لیے کہ شروع ہی سے ان کے کان میں صرف آپ کی کنیت ہی پڑتی رہی ہے - اگر ابوہریرہ کا اصلی نام لوگوں کو معلوم نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے ؟ حضرت ابوہریرہ قبیلہ دَوس سے تعلق رکھتے تھے - جو کہ مدینہ سے نہایت دُور سکونت پذیر تھا - جب حلقہ بگوش اسلام ہو کر صحبت نبوی میں آئے تو ابوہریرہؓ کے نام ہی سے پکارے جاتے رہے - پھر اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ لوگ ابوہریرہ کا وہ نام بھول جائیں جو ان کے والدین نے ان کے لیے تجویز کیا تھا -

(۴) ابوہریرہ اور ان کے والد کے نام میں جو اختلاف رُونما ہوا ہے وہ حقیقتہً تیس[۳۰] یا چالیس[۴۰] اقوال تک نہیں پہنچتا - بلکہ اس کثرت کی وجہ راویوں کا وہم اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہے - اصلی اور حقیقی اختلاف تین اقوال سے زیادہ نہیں ہے -

حافظ ابن حجر اپنی کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں :۔

"ابو ہریرہؓ کے جو نام بتائے جاتے ہیں ان میں تحریف و تصحیف واقع ہو گئی ہے ۔ اس کی ذمہ داری بعض راویوں پر عائد ہوتی ہے ۔ مثلاً ابو ہریرہ کا نام مسکن و سکین ، اور سعد و سعید بھی بنایا گیا ہے ۔ دراصل یہ ایک ہی نام ہے ۔ راویوں نے بگاڑ کر اس کو دو بنا دیا "

حافظ ابن حجرؒ مزید فرماتے ہیں :۔

" غور و فکر کے بعد ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں صرف دس اقوال ملتے ہیں ۔ اور اگر اس میں مزید تحقیق سے کام لیا جائے تو صرف تین نام باقی رہ جاتے ہیں ۔ یعنی عُمیر و عبداللہ و عبدالرحمٰن ۔ (الاصابہ ۔ ج ۴ ۔ ص ۲۰۴)

گویا حقیقی اختلاف صرف مذکورہ صدر تین ناموں میں پایا جاتا ہے ۔ حالانکہ دسیوں صحابہ ایسے تھے جن کے ناموں کے بارے میں چار چار یا پانچ پانچ بلکہ چھ چھ اقوال تک پائے جاتے ہیں ۔ پھر ابو ہریرہؓ کے نام کو اس قدر اچھالنے کی کیا ضرورت تھی ؟ مگر جب نیت ہی خراب ہو اور انسان اس بات پر تلا بیٹھا ہو کہ کسی کی مذمت ہی کرنا ہے تو اس کا کیا علاج ؟

ابو ہریرہؓ کا حسب و نسب اور بچپن :

ابو رَیّہ اپنی کتاب کے ص ۱۵۳ پر لکھتا ہے ۔

"جس طرح صحابہ ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں مختلف الرائے ہیں اسی طرح وہ ان کے بچپن اور تاریخ قبل از اسلام سے بھی آگاہ نہیں ۔ بجز اس کے جو ابو ہریرہؓ نے خود بتایا کہ میں ایک چھوٹی سی بلی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور اس وقت میں نہایت تنگ دست تھا اور روٹی کے عوض لوگوں کی خدمت کیا کرتا تھا ۔ ابو ہریرہؓ کے حسب و نسب کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ سلیم بن فہم آزدی کے کنبہ سے تعلق رکھتے تھے قبیلہ ازد مشہور قبیلہ دَوس کی ایک شاخ تھا "

ہم نہیں سمجھتے کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو قابل عزت سمجھتا اور علم و معرفت کا مدعی ہو اتنی پست

سطح تک اتر سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے صحابی کو نقد و جرح کی آماج گاہ بنائے جو اپنے معاصرین میں جانی پہچانی شخصیت ہو اور ان کی نسلیں بھی بخوبی اس سے آگاہ و آشنا ہوں۔ خصوصاً جب کہ ابوہریرہ خود کہتے ہیں کہ وہ عرب کے مشہور قبیلہ دَوس سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ عربی قبائل میں بہت معروف تھا اور اس کو بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مزید برآں صحابہ میں خاصی اکثریت ایسے لوگوں کی بھی جن کے عہدِ جاہلیت کے حالات بالکل معلوم نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دورِ جاہلیت میں عرب گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اپنے جزیرہ میں محصور اور باہر کی دنیا سے یکسر بے بہرہ تھے۔ بیرونی دنیا کو بھی عربوں کے حالات سے کچھ دلچسپی نہ تھی البتہ تجارتی قافلے عرب کی سرزمین سے گزرتے تھے۔ جب اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا اور سرزمین عرب رسالت و نبوت کی شعاعوں سے جگمگا اُٹھی۔ تو عربوں کے حالات تاریخ کے اوراق میں قلمبند کیے جانے لگے۔ راوی ان کے کوائف و احوال کی ٹوہ میں رہنے لگے۔ طالبانِ علم ان سے علم و ہدایت کی باتیں روایت کرنے لگے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ابوہریرہؓ اس ضمن میں دیگر صحابہ سے مختلف تھے؟ نیز یہ کہ دورِ جاہلیت کے حالات معلوم نہ ہونے سے دَورِ اسلام میں ان کی قدر و منزلت کیونکر کم ہو سکتی ہے؟ آخر ابوریّہ نے قرآن کی کس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس شخص کی تاریخ قبل از اسلام معلوم نہ ہو اسے حقیر و ذلیل انسان تصوّر کرنا چاہیے؟ نیز یہ کہ اس کی روایت کردہ احادیث کو بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔
سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

ہم ابوریّہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان ہزاروں صحابہ کی تاریخ بیان کریں جنہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس میں ذرّہ برابر مبالغہ نہیں کہ ان میں بمشکل دس بیس صحابہ ایسے نکلیں گے جن کی تاریخ قبل از اسلام معلوم ہے۔ اور وہ بھی صرف اس قدر جو ایک یا دو سطروں میں لکھی جا سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا باقی تمام صحابہ ابوریّہ کے نزدیک ناقابلِ اعتماد اور بے وقعت ہوں گے؟ کیا یہی علمی تحقیق ہے جس کا ڈھنڈورہ ابوریّہ پیٹتے رہتے ہیں اور اس کو عدیم المثال قرار دیتے ہیں؟

ابوھریرہ ناخواندہ تھے | ابوریّہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ پہ لکھتے ہیں:

"ابوہریرہ ناخواندہ شخص تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے"

اسلامی عصر و عہد میں یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ صرف ناخواندہ ہونے کی وجہ سے کسی صحابی کی صداقت و عدالت کو مشکوک قرار دیا گیا ہو۔ یہ صرف ابوریّہ کے دماغ کی اپج ہے کہ ان پڑھ ہونے کی بنا پر بھی ایک صحابی قابل اعتماد نہیں رہتا۔

حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن عربوں میں مبعوث کیا گیا تھا وہ عام طور سے ناخواندہ تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضور کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف چند لکھے پڑھے آدمی موجود تھے اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جن ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی تھی وہ سب ناخواندہ تھے۔ پھر خصوصی طور سے ابوہریرہ کو ان پڑھ قرار دینے کا کیا مطلب؟ آخر اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے۔ کہ ان کی مرویات کو صرف اس لیے مشکوک قرار دیا جائے کہ وہ حافظہ کی مدد سے حدیثیں روایت کرتے تھے اور لکھتے نہ تھے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کو چھوڑ کر عام صحابہ حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے۔ تو کیا ابوریّہ جمیع صحابہ کی مرویات کو اس اساس پر مطعون و مشکوک بنا دینا چاہتے ہیں کہ وہ اُمّی تھے۔ اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ کیا یہی ہے ابوریّہ کی علمی تحقیق جس کو وہ عدیم النظیر قرار دیتے ہیں؟

ابوہریرہ کی تنگدستی :۔

ابوریّہ اپنی کتاب کے اکثر و بیشتر مقامات پر اس بات کے بڑے حریص نظر آتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کو صرف اس لیے نفرت و حقارت کے مستحق ٹھہرائیں کہ وہ تنگ دست اور فقیر بے نوا تھے۔ وہ سایہ کی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے تھے کہ آپ کی کوئی حدیث ان سے رہ نہ جائے شکم سیری کے سوا نہیں کسی بات کی فکر دامن گیر نہ تھی۔ ابوریّہ نے یہ بات بار بار دہرائی ہے کہ ابوہریرہ اپنے قبیلہ میں باعزت نہ تھے اور ان کا شمار عرب کے اشراف و رؤساء میں نہیں ہوتا تھا۔ یہ ہیں وہ وجوہ و اسباب جن کی بناء پر ابوہریرہ ابوریّہ کے نزدیک ذلت و احتقار کے مستحق تھے۔

ابھی تک ہم یہی جانتے تھے کہ اصحاب ثروت و جاہ فقراء و مساکین کو چشم حقارت سے دیکھا کرتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء کے دشمن اور ان کی دعوت کے مخالف قوم نوح کی طرح اسی طرح کہتے چلے آئے ہیں کہ :۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ۔ — صرف وہی لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں جو ہم میں گھٹیا ہیں ۔

(سورۂ ھود ۔ ۲۷)

ہمارا یہ تصور رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک دنیوی جاہ و ثروت ہی عظمت و فضیلت کا اصلی معیار و مدار ہے ۔ ہمارا زاویۂ نگاہ یہی رہا ہے کہ دولت و ثروت کے پجاری اور سرمایہ دار فقراء و مساکین کی ہمیشہ تحقیر کرتے رہے ہیں ۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر ابوریہ جیسے شخص سے ہمیں اس بات کی توقع نہ تھی ۔ آخر ابوریہ نے حضرت ابوہریرہؓ کے فقر و افلاس سے جو بحث کی ہے اس میں کس کا طرز و انداز اختیار کیا ہے ؟ آیا یہ ان لوگوں کا طے کردہ معیار ہے جو رسل و انبیاء کی تکذیب کرتے رہے ہیں ؟ اگر ابوریہ اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں تو اس نے حضرت نوحؑ سے متعلق بیان کیا ہے کہ جو لوگ ان کے تنگدست اور با ایمان اتباع کو بچشم حقارت دیکھتے تھے آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا :۔

وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (سورۂ ھود ۔ ۲۹) — اور میں ایمان داروں کو چھوڑنے والا نہیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں مگر میں تمہیں ایک جاہل قوم سمجھتا ہوں ۔

مزید فرمایا :

وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ — اور جن لوگوں کو تم چشم حقارت سے دیکھتے ہو میں انہیں یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں بھلائی نہیں دے گا ان کے جی میں جو کچھ ہے خدا ہی اسے بہتر جانتا ہے میں اس وقت ظالموں میں سے ہوں گا ۔

(سورۂ ھود ۔ ۳۱)

اور اگر ابوریہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے سرمایہ داروں کی سی باتیں کرتا ہے تو اسے بخوبی معلوم ہونا چاہیئے کہ دین اسلام نے عز و وقار کے تمام مادی سانچوں اور پیمانوں کو بے کار قرار دیا ہے ۔

اسلام نے عظمت و فضیلت کا صرف ایک ہی معیار مقرر کیا ہے اور وہ تقویٰ ہے۔ قرآن میں فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (الحجرات۔۱۳)

اور اگر ابوریہ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی طرز پر سوچتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری نوخیز جمہوریہ عربیہ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہم ایک ایسے عصر و عہد میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں کام کی ضرورت ہے بے کار نظریات کی نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابوریہ نے جو رسوا کن نظریہ اختیار کیا اور ابوہریرہ کے فقر و فاقہ اور تنگدست ہونے کو جس طرح اچھالا ہے اس کے لیے مجھے کوئی وجہ جواز نظر نہیں آئی۔ فتح مکہ کے دن موذّنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر رؤساء قریش کے سامنے اعلاء کلمۃ اللہ کیا تھا۔ (حالانکہ آپ ایک حبشی غلام تھے۔) خلافت فاروقی کے زمانہ میں جب سردارانِ قریش بارگاہِ خلافت میں حاضر ہونے کے لیے اذن طلب کرتے تو حضرت عمرؓ حضرت صُہیبؓ اور بلالؓ کو پہلے طلب فرمایا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ آغاز اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان میں سے اکثر مالی لحاظ سے پسماندہ اور غلام تھے چند سالوں تک یہی حالت رہی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ کیا بارگاہ رسالت میں اس بناء پر ان کے مرتبہ و مقام میں کوئی کمی پیدا ہوئی؟ اور کیا اسلامی دعوت کی تاریخ میں ان کو مناسب مقام نہیں دیا گیا؟ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ کفار قریش اور ابوریہ جیسے لوگوں کی نگاہ میں جو لوگ ذلیل و حقیر تھے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق نے ان کو زندگی جاوید عطا کی۔ اور ان کے نام کو تابندگی و درخشندگی بخشی؟ پھر وہ لوگ ان کے مرتبہ کو کیوں کر پا سکتے ہیں جن کو کفار قریش اور ابوریہ کے ہمنوا اغنیاء و شرفاء اور ارباب دولت و ثروت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مزید یہ کہ ابوہریرہؓ کو جانچنے پرکھنے کے لیے ابوریہ نے جو مقیاس و معیار مقرر کیا ہے دوسرے شخص کو حق حاصل ہے کہ اسی پیمانہ سے وہ خود ابوریہ کو جانچے پرکھے اور اس کو اس لیے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھے — کہ ہمارے علم کی حد تک — ابوریہ ایک مفلس آدمی ہے اور دولت مندوں میں شمار نہیں ہوتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسے اپنی قوم میں بھی کوئی نمایاں مرتبہ و

مقام حاصل نہیں۔

ابوہریرہ کا اسلام لانا اور آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت:

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں جس سال خیبر فتح ہوا مشرف بالسلام ہوئے۔ بخلاف ازیں اب ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ اس سے بہت پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مگر ہجرتِ مدینہ کا شرف انہیں تاخیر سے ۷ھ میں حاصل ہوا۔ اس کی دو دلیلیں ہیں:

پہلی دلیل:

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں طفیل بن عمرو دَوسی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل اسلام لائے۔ پھر واپس آکر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ مگر ان کے والد اور ابوہریرہ کے سوا کسی اور نے اسے قبول نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابوہریرہ نے ۷ھ میں ہجرت کی تاہم وہ اس سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے۔

دوسری دلیل:

اس کی دوسری دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ابوہریرہ اور ابان بن سعید بن العاص کی باہمی تکرار کا ذکر ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ خیبر کی فتح کے بعد ابان بن سعید نے آنحضورؐ سے مال غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ یہ سن کر ابوہریرہؓ نے کہا "حضور! اسے حصہ نہ دیجئے کیونکہ اس نے نعمان بن مالک بن ثعلبہ کو قتل کیا تھا جو ابن قوقل کے نام سے معروف تھے"۔ ابن قوقل کے قتل کا واقعہ غزوہ اُحد میں پیش آیا تھا۔ جب کہ ابان بن سعید ہنوز کافر تھے اور اس نے ابن قوقل کو قتل کیا تھا۔

(فتح الباری، ج ۷۔ ص ۳۹۰)

یہ واقعہ اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ ابوہریرہؓ جب ۷ھ میں مدینہ وارد ہوئے۔ اس وقت جدید الاسلام نہ تھے۔ بلکہ وہ بہت سے غزوات و واقعات میں شرکت کر چکے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ابان بن سعید نے غزوۂ اُحد میں ابن قوقل کو قتل کیا تھا۔ حافظ ابن حجر کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے

(فتح الباری، ج ۸۔ ص ۸۳)

مقام افسوس ہے کہ ابوریہ نے حسب عادت اس واقعہ کو غلط سمجھا اور بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ اس کا یہ رویہ کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں ہے۔ بہرکیف اس میں شبہ نہیں کہ ابوہریرہ دیگر صحابہ کی طرح

پورے خلوص سے اسلام لائے تھے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ اپنے قبیلہ کے طفیل بن عمرو سے اسلام کا نام سنا اور پھر اس کے بعد ان کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ غزوہ خیبر میں آنحضور ؐ اور صحابہ کی صحبت و رفاقت سے مشرف ہوئے۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابو ہریرہؓ خیبر پہنچے تو آنحضورؐ لڑائی سے فارغ ہو چکے تھے اور مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ صحیح ترین اور قابلِ اعتماد روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ مالِ غنیمت میں سے ابو ہریرہ کو بھی حصہ دیں۔

پھر اس کے بعد ابو ہریرہؓ سرورِ کائناتؐ کے وابستۂ دامن ہو گئے۔ دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہ رہی بجز اس کے کہ آنحضورؐ کی حدیثیں سنیں اور آپ کے بعد ان کو مسلمانوں تک پہنچائیں۔ آپ کا صُفّہ نشین ہونا ایک فطری بات تھی۔ صُفّہ مسجدِ نبوی میں ایک جگہ تھی، اس میں وہی لوگ بود و باش رکھتے تھے جو فقیر بے نوا تھے اور علمی خدمت اور جہاد کے سوا وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ صفّہ میں جلیل القدر صحابہ کی ایک جماعت سکونت گزین تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت احترام کرتے تھے اور لوگوں کو ان کے اکرام و احترام کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

جب تک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بقیدِ حیات رہے۔ ابو ہریرہ آپ کے وابستۂ فتراک رہے اور ۷ھ سے ۱۱ھ تک سفر و حضر میں کبھی آپ سے الگ نہ ہوئے۔ قلب و ذہن پر یہ دُھن ہر وقت سوار رہتی تھی کہ سابق الاسلام صحابہ اور امہات المومنین سے حدیثیں سنیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو ہریرہ کے پاس احادیثِ نبویہ کا اس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا جو دیگر صحابہ کے پاس نہ تھا۔ اس لیے کہ وہ ابو ہریرہ کی طرح اپنا پورا وقت حدیثیں سننے اور آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت میں رہنے کے لیے صرف نہ کر سکتے تھے۔

یہ ہے ابو ہریرہؓ کے مشرف باسلام ہونے کا واقعہ! اسی طرح امام بخاری اور محدث الدُّولابی متوفی ۳۱۰ھ نے ابو ہریرہ کے اپنے قبیلہ دَوس سے پہلے مدینہ اور پھر خیبر ہجرت کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ سفرِ ہجرت کے دوران مندرجہ ذیل شعر وردِ زبان تھا۔ ۵

يَا لَيْلَةً مِنْ طُوْلِهَا وَعَنَائِهَا
عَلٰى أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

(ہائے یہ رات کتنی طویل اور تکلیف دہ ہے مگر اس نے مجھے کفر گڑھ سے نجات دلادی ہے)۔

راستہ میں ابوہریرہ کا غلام بھاگ گیا۔ جب ابوہریرہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت کی تو غلام سامنے آیا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا "ابوہریرہ! یہ آپ کا غلام ہے" ابوہریرہ نے کہا "یہ خدا کے لیے آزاد ہے" ابوہریرہ آنحضورؐ کی بیعت کر کے اور آپ سے مل کر اس قدر خوش ہوئے کہ غلام کو آزاد کر دیا۔

(فتح الباری، ج ۸۔ ص ۸۳ نیز کتاب الکنیٰ والاسماء، ج ۱۔ ص ۶۱)

حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ اس امر کی منہ بولتی تصویر ہے کہ ابوہریرہ سچے عاشق رسولؐ اور پیکر صدق و اخلاص تھے۔ رسول کریمؐ سے مل کر احسانات خداوندی کا شکر ادا کیا جب آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے تو بارگاہِ ایزدی میں غلام کو آزاد کر کے ہدیۂ تشکر پیش کیا۔ حالانکہ خدمت کے لیے اور غلام موجود نہ تھا۔ نجدا یہ ابوہریرہ کے صدق و اخلاص کی وہ سچی تصویر ہے جس سے ایک مومن صادق کا دل یقین و اطمینان سے بھر جاتا ہے۔

مگر اس کا کیا علاج کہ ابوریہ اس شعر کا مصداق بنا ہوا ہے ؎

آنکھ والا تیری قدرت کا تماشا دیکھے
چشم کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے!

ابوریہ کے قلب و ذہن پر ابوہریرہ کا بغض و عناد سوار ہے۔ اس لیے ابوہریرہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں بھی اس کو یہ تصویر نظر آتی ہے کہ ایک بھوکا شخص شکم سیری کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کو نقل مکانی کر رہا ہے۔ رسول کریمؐ کی صحبت و رفاقت کی حالت میں ابوہریرہ کو وہ یوں دیکھتا ہے کہ ایک لالچی آدمی ہے جس کو شکم سیری کے سوا کوئی کام نہیں کیا ابوریہ اپنے لیے اس تصویر کو پسند کرتا ہے؟ کیا ابوریہ کے نیچے یا کسی دوست کی سیرت و کردار کی تصویر اگر اس انداز میں کھینچی جائے تو وہ اسے پسند کرے گا؟ مقام حیرت ہے کہ پھر آنحضورؐ کے صحابہ میں سے کسی صحابی کی یہ تصویر ابوریہ کو کس لیے پسند ہے؟ خصوصاً جب کہ جمہور علماء عصر تابعین سے لے کر تا امروز ابوہریرہ کو رسول کریمؐ کی علمی امانت و دیانت کا زندہ مجسمہ مانتے چلے آئے ہیں۔

قصّہ ابو ہریرہؓ کی بھوک اور رفاقتِ نبوی کا :

ابوریّہ حضرت ابو ہریرہ کے فقر و فاقہ کی داستان مزے لے لے کر بیان کرتا اور کہتا ہے کہ:
ابو ہریرہ نے اسی لیے صُفّہ کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ سُکّانِ صُفّہ میں ان کو خاصی شہرت حاصل تھی اور بعد میں آپ ان کے نگران مقرر کیے گئے تھے۔ (ابوریّہ کی کتاب، ص ۱۵۴)

اس ضمن میں چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں :

(۱) ۔حیرت ہے کہ یہ بات کہتے ہوئے ابوریّہ نہ خدا سے شرماتا ہے اور نہ لوگوں سے۔اس لیے کہ نہ فقر و افلاس کسی شخص کے عیوب و نقائص میں شمار ہوتا ہے اور نہ صفہ کی سکونت و بود و باش جن لوگوں نے اعمالِ صالحہ اور صفاتِ حسنہ کے زیرِ سایہ تربیت پائی ہے وہ غریب آدمی کو ہرگز ذلیل و حقیر تصوّر نہیں کرتے۔البتہ ذلیل طبع کمینے لوگ جن کے نزدیک صرف مال و جاہ ہی عزت و عظمت کا واحد معیار ہے۔ایسے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔قرآن کریم نے اصحابِ دولت و ثروت کے فسق و فجور اور انبیاء و علماء و داعیانِ حق کی مخاصمت و منازعت پر جو تنقید کی ہے وہ ابوریّہ کی تردید کے لیے کافی ہے۔اس لیے اس ضمن میں ہم مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

(۲) ۔ابوریّہ لکھتا ہے :

> "ابو ہریرہ نے بذاتِ خود اس راز سے پردہ اٹھا دیا ہے کہ اس نے آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت کس لیے اختیار کی۔اسی طرح ابو ہریرہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کی ابتدائی نشو و نما کن حالات میں ہوئی تھی۔"

اس سے ابوریّہ نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے یتیمی کی حالت میں تربیت پائی تھی۔گویا یتیم ہونا ابوریّہ کے نزدیک ایک عیب شمار ہوتا ہے۔یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ یتیمی کو معائب میں شمار کیا جائے۔ابوریّہ نے یہ نہیں کہا کہ ابو ھریرہ نے آنحضورؐ کی الفت و محبت اور طلبِ ہدایت کے لیے آپ کی صحبت اختیار کی تھی جس طرح دیگر اہلِ اسلام کرتے تھے۔بخلاف ازیں ابوریّہ کا کہنا یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے آپ کی رفاقت صرف شکم سیری کے لیے اختیار کی تھی۔
ظاہر ہے کہ ایک سینہ پُر از کینہ ہی سے ایسی بات صادر ہو سکتی ہے۔مزید یہ کہ ابو ھریرہؓ

کے الفاظ سے یہ مطلب وہی شخص اخذ کر سکتا ہے جس کی عقل میں خلل یا سینہ میں دجل و دغل (حسد و بغض) ہو۔ ورنہ ایک دانش مند آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جن بلاد و دیار میں ابوہریرہ نے پرورش پائی تھی اور جس کنبہ و قبیلہ میں آپ پروان چڑھے تھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے تج دیا کہ رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب کھائیں پئیں گے۔

کیا اپنے قبیلہ میں رہ کر ابوہریرہ کھا پی نہ سکتے تھے؟ کیا دوس جیسے معزز قبیلہ کی سرزمین بنجر اور ویران تھی کہ وہ ابوہریرہ سے تنگ آگئی اور ان کے لیے سامان خورد و نوش مہیا نہ کر سکی؟ پھر ابوہریرہ مدینہ کیوں آئے؟ کیا وہ تجارت پیشہ حضرات اور کسانوں کی طرح تجارت و زراعت سے روزی نہیں کما سکتے تھے؟ اور کیا پیشہ ور گداگروں کے سوا کوئی اپنے وطن کو چھوڑ کر محض اس لیے دور دراز ممالک میں جاتا ہے کہ وہاں خوب کھائے پیئے گا؟ بلکہ یہ لوگ تو صرف کھانے پینے کے لیے ہی نہیں جاتے، بلکہ مال بھی جمع کرتے ہیں۔ مگر ابوریہ یہ نہیں کہتا کہ ابوہریرہؓ نے آنحضور کی صحبت مال جمع کرنے کے لیے اختیار کی تھی۔ تو کیا ابوہریرہؓ ابوریہ کی نگاہ میں ان پیشہ ور گداگروں سے کم درجہ نہیں ہے؟ سچ ہے کور نگاہی اور کینہ پروری انسان کو اسی درجہ تک پہنچا کر چھوڑتی ہے جہاں ابوریہ پہنچ چکا ہے۔

(۳) ۔ مزید برآں آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت اختیار کرنے کے سلسلہ میں ابوریہ نے جو دوسری روایت پیش کی ہے وہ اس طرح نہیں جیسے اس نے بیان کی ہے۔ بخلاف ازیں، صحیح بخاری کتاب البیوع کے الفاظ یہ ہیں:

وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ عَلَى مَلَإِ بَطْنِي۔ — میں پیٹ بھر کر آنحضور کی رفاقت میں رہا کرتا تھا۔

ابوھریرہ نے یہ الفاظ اپنی کثرتِ روایت کی وضاحت کرتے ہوئے کہے تھے۔

صحیح مسلم باب فضائل الصحابۃ میں حضرت ابوھریرہ کے الفاظ اس طرح نقل کیے گئے ہیں:

”میں ایک مسکین آدمی تھا اور صرف پیٹ بھر کر آنحضورؐ کی خدمت کرنے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔“

ابوھریرہؓ نے ان الفاظ میں یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے آنحضورؐ کی صحبت کیوں اختیار کی جیسا کہ

ابوریہ کا خیال ہے۔ بلکہ آپ کے ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی اس ضمن میں کہ وہ صحابہ کثیر الروایۃ کیونکر بن گئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین بازار میں خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ انصار مدینہ کھیتی باڑی میں لگے رہتے۔ ادھر میری یہ حالت تھی کہ آنحضورؐ کے ساتھ ساتھ رہتا اور جہاں جائے آپ کی خدمت کرتا۔ پھر ابوریہ کا یہ دعویٰ کیوں کر درست ہے کہ ابوھریرہؓ نے آنحضورؐ کی صحبت میں رہنے کا راز خود بیان کر دیا تھا۔

(۴)۔ ابوریہ نے ان الفاظ میں صرف تحریف کا ارتکاب ہی نہیں کیا۔ بلکہ یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ابوھریرہ کے قول "عَلٰی مِلْءِ بَطْنِیْ" میں لفظ "عَلٰی" تعلیل یعنی بیان علت کے لیے ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ "عَلٰی" کلام عرب میں علت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ مثلاً آیت کریمہ "عَلٰی مَا هَدَاكُمْ" میں ہے۔

(تصنیف ابی ریہ۔ ص ۱۵۴۔ حاشیہ نمبر ۵)

ابوریہ کا یہ تازہ جھوٹ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ حق معلوم کرنے کے درپے نہیں، بلکہ اس کا واحد مقصد ابوھریرہ کی تحقیر و تذلیل ہے۔ حالانکہ ابن ہشام نے صرف یہ بات کہی ہے کہ لفظ "علیٰ" عربی میں ۹ معانی کے لیے مستعمل ہے ان میں سے ایک معنی تعلیل بھی ہیں۔ پھر اس سے یہ کیوں کر ثابت ہو گیا ہے کہ ابوھریرہ کے الفاظ میں یہ لفظ متعین طور پر صرف تعلیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ ابوہریرہ کے الفاظ میں لفظ "علیٰ" سے متعدد معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اور یہی معانی علماء نے ان کے قول سے سمجھے بھی ہیں۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا باطن اصحاب رسولؐ کے بغض و عناد سے پاک تھا۔

امام نووی ابوہریرہ کے مذکورہ صدر الفاظ کی شرح و توضیح میں فرماتے ہیں:

"یعنی میں آپ کی صحبت میں رہتا اور صرف قوت لایموت پر قناعت کیا کرتا تھا۔ میرا مقصد نہ مال جمع کرنا تھا اور نہ کچھ اور۔ ابوہریرہ کا مقصد یہ تھا کہ میں صرف حلال ذرائع سے اپنی شکم سیری کا سامان کیا کرتا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کی خدمت کر کے معاوضہ وصول کرتا تھا" (شرح مسلم ۱۶ - ۵۲)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

"یعنی قوت لایموت پر قانع رہنا اور آنحضور کی خدمت سے کبھی غیر حاضر نہ ہونا۔"
(فتح الباری، ج ۴- ص ۲۳۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں :

"یعنی صرف قوت لایموت پر قناعت کیا کرتا تھا۔" (عمدۃ القاری، ج ۵- ص ۳۹۴)

خلاصہ یہ کہ ابوریہ نے حضرت ابوھریرہ کے مشرف باسلام ہونے اور آنحضورؐ کی صحبت و رفاقت اختیار کرنے کے واقعہ کو توڑ مروڑ کر اس لیے پیش کیا ہے کہ آپ کی صداقت و اخلاص کو مشکوک ثابت کرے۔ مگر اس سے ابوہریرہ کا اخلاص تو کیا مشتبہ ہوتا البتہ ابوریہ کی اپنی حقیقت کھل کر ضرور سامنے آگئی ہے۔ اس لیے کہ ابوہریرہ کا یہی واقعہ ان کے عظیم مفاخر و مناقب میں شمار کیے جانے کے قابل ہے اور اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ابوہریرہ میں اللہ و رسول کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور ان میں دنیوی مال و متاع کی محبت یا حرص منصب و جاہ کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔ آپ نے دنیا کو اسی وقت پس پشت ڈال دیا تھا۔ جب یہ عزم باندھا کہ مدینہ میں نہ تجارت کریں گے نہ کھیتی باڑی بلکہ ان کے سامنے مقصدِ وحید یہ ہوگا کہ رسول کریم کے وابستۂ دامن رہیں ان سے حدیثیں سنیں اور پھر اس امانت کو آگے مسلمانوں تک پہنچائیں۔

مشہور مفسر و مورخ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابوہریرہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے اہل حق کے قلب و ذہن میں ان کا مرتبہ و مقام بہت بلند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مورخ موصوف نے اپنی سند کے ساتھ جو سعید بن ھسند تک پہنچتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا "آپ کے اصحاب و رفقاء نے مجھ سے مال غنیمت میں سے حصہ طلب کیا ہے مگر آپ نے نہیں کیا" میں نے عرض کیا :

"میں آپ سے صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ خدا نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے سکھلا دیں۔" (البدایہ والنہایہ، ج ۸- ص ۱۱۱)

اب بتائیے اخلاص اور حسن نیت کی مثال اس سے بہتر اور کیا ملے گی ؟

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک روز ابوہریرہ کی بیٹی نے عرض کیا :

"ابا جان! لڑکیاں مجھے طعن دیتی ہیں کہ تمہارے والد تمہیں زیور کیوں نہیں پہناتے"

ابوہریرہؓ نے کہا :

"پیاری بیٹی! ان سے کہیں کہ میرے ابا ڈرتے ہیں کہ زیور کے عوض مجھے آتش جہنم میں نہ جانا پڑے"
(حوالہ مذکور)

طالب جاہ و منصب کے سلسلہ میں صرف یہی بات کافی ہے کہ جو شخص اپنے وطن مالوف سے مدینہ کی جانب ہجرت کرتے ہوئے ایک مہاجر قافلے کی خدمت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہو۔ اور صفہ میں ان بے خان و ماں لوگوں کے پاس مقیم ہو جائے جن کا کوئی گھر بار نہیں ہوتا اور جو طلب علم کی خاطر بھوک پیاس تک گوارا کرتا ہو وہ جاہ و منصب کا طالب نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی شان بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو بحرین کا عامل مقرر کیا اور آپ وہاں سے کچھ مال لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے ان کا محاسبہ کیا۔ حساب ٹھیک نکلا تاہم آپ نے بار دیگر یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا :

"میں ڈرتا ہوں کہ بلا دلیل کوئی بات کہوں یا حلم و حوصلہ کے بغیر کوئی فیصلہ صادر کروں"

(البدایہ والنہایہ، ج ۸ - ص ۱۱۳)

یہ ہے ابوہریرہ کا اسلام و اخلاص اور رفاقت نبوی کی حقیقی تصویر۔ اب سوال یہ ہے کہ ابوریّہ کو حقائق کے تبدیل کرنے تاریخی واقعات کو مسخ کرنے اور ایک پاک دامن کو ملوث کرنے کی اجازت کس نے دی؟ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ہوتی ہے۔ خواہ وہ دروغ کا ارتکاب شعوری طور پر کریں یا غیر شعوری طور پر۔

(۵) - ابوریّہ لکھتا ہے :

"ابوھریرہ بہت پیٹو اور بسیار خور شخص تھے۔ روزانہ آنحضورؐ یا کسی صحابی کے گھر میں کھانا کھانے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ ان سے نفرت کرنے لگے"

یہ ایک اور تاریخی جھوٹ اور حق و صداقت کو بگاڑنے کی زبردست مثال ہے۔

جہاں تک ابوہریرہ کی بسیار خوری کا تعلق ہے یہ کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں۔ بالفرض و المحال کسی روایت سے ثابت ہو بھی تو اس سے ابوہریرہ کی عدالت و ثقاہت اور مقام و مرتبہ میں کچھ فرق

نہیں آتا۔ دنیا کا کوئی مذہب یہ بات نہیں کہتا کہ زیادہ کھانے سے آدمی ساقط العدالت ہو جاتا ہے اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ابوریّہ نے یہ بہتان صرف اپنے جذبۂ بغض و عناد کی تسکین کے لیے باندھا ہے ورنہ ایک صحابی کی شان میں گستاخی کرنے کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ ابوہریرہ روزانہ آنحضور یا کسی صحابی کے گھر میں کھانا کھایا کرتے تھے تو ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ ابوہریرہ کو اپنا پیٹ بھر کر آنحضور کی رفاقت میں رہنے اور ان سے حدیثیں سننے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے جب کسی نے ابوہریرہؓ کی کثرتِ احادیث کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

> "ہم اس میں ذرہ بھر شک نہیں رکھتے کہ ابوہریرہ نے آپ سے وہ کچھ سنا جو ہم نے نہیں سنا۔ اور وہ کچھ سیکھا جو ہم نے نہیں سیکھا۔ ہم دولت مند لوگ تھے اور گھر بار رکھتے تھے۔ ہم صبح و شام آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور لوٹ جایا کرتے تھے۔ ابوہریرہ ایک مسکین شخص تھا۔ نہ اس کا کنبہ تھا نہ قبیلہ۔ وہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اس لیے اس نے آپ سے وہ کچھ سنا اور سیکھا جو ہم لوگ نہ سیکھ سکے۔"
>
> (البدایہ والنہایہ، ج ۸۔ ص ۱۰۹ نیز فتح الباری، ج ۷۔ ص ۶۱)

اس ضمن میں سچی بات تو یہ ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ابوریہ کی نادر اور عدیم المثال علمی تحقیق اس بات کو ابوھریرہ کے لیے موجبِ تنقیص بنانے کے حق میں ہے۔ ابوریّہ نے ابوہریرہ کی جو تصویر کھینچی ہے۔ وہ اس انداز کی ہے کہ وہ ایک پیشہ ور گداگر ہے جس کا کام ہر کس و ناکس کے دروازوں پر صدا دینا ہے۔ کوئی شخص اس کو کچھ دے دیتا ہے اور کوئی نہیں دیتا لعنۃ اللہ علی الکاذبین

بقولِ ابوریّہ رسول کریمؐ نے ابوہریرہ سے کہا تھا کہ "ایک دن کا ناغہ کر کے میری ملاقات کے لیے آیا کرو اس سے محبت بڑھے گی۔" ابوریّہ کی رائے میں آنحضور کا مطلب یہ تھا کہ ابوہریرہ روزانہ لوگوں کے دروازہ پر نہ جایا کریں۔ یہ بدترین قسم کا جھوٹ ہے۔ ابوریّہ نے خود لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے ابوہریرہ سے پوچھا "کل تم کہاں تھے؟" ابوہریرہ نے عرض کیا "میں اپنے گھر والوں کی ملاقات کے لیے گیا تھا۔" اس کے جواب میں آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا "کہ ناغہ کر کے میری زیارت کیجیے

آیا کرو" دوسری جانب ابوریّہ یہ کہتا ہے کہ آپ نے ابوہُریرہ کو یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ روزانہ لوگوں کے گھروں پر نہ جایا کریں۔ اب بتائیے ابوریّہ کی کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟ مزید براں "زُرْنِي غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا" کے الفاظ کسی صحیح السند حدیث میں وارد ہوئے ؟

حافظ سخاوی فرماتے ہیں :۔

"محدث عقیلی فرماتے ہیں یہ حدیث طلحہ سے منقول ہے۔ جن راویانِ حدیث نے اس کی تائید کی ہے وہ بھی طلحہ ہی کی طرح ضعیف ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ عبید بن عمیر کا قول ہے۔ محدث ابن حبّان نے اپنی صحیح میں عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں اور عُبَید بن عُمیر دونوں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عُبَید کو مخاطب کر کے کہا "تمہاری ملاقات کے لیے مناسب وقت آگیا ہے" عُبَید نے کہا والدہ محترمہ! میں آپ کی خدمت میں وہی عرض کروں گا جو پہلے نے کہا کہ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا فرمانے لگیں" اس جھوٹ سے ہمیں معاف رکھیے"

سخاوی کہتے ہیں یہ حدیث حضرت انس و جابر و حبیب بن مسلمہ و ابن عباس و ابن عمر و علی و معاویہ بن حَیدہ و ابوالدّرداء و ابوذر و عائشہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابن طاہر کا قول ہے کہ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل کے چودہ (۱۴) مقامات پر یہ حدیث نقل کی ہے۔ مگر ان طُرق میں سے ایک بھی صحیح نہیں سب معلول ہیں۔ البتہ متعدد طُرق کے ملنے سے حدیث کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ بزّار فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کسی صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔ اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اگرچہ اس کے سب طرق ضعیف ہیں مگر ان سے بحیثیت مجموعی حدیث کو تقویت بہم پہنچ جاتی ہے" (المقاصد الحسنہ للسخاوی، ص ۲۳۲)

مذکورہ صدر تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث محلِّ نظر ہے۔ اور اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ آپ نے خاص طور پر ابوھُریرہ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ بخلاف ازیں اس حدیث کے راوی دس (۱۰) سے بھی زیادہ صحابہ ہیں۔ ابوریّہ یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ وہ سب بھیک مانگنے لوگوں کے گھروں پر جایا کرتے تھے اور آپ نے ان کو اس حرکت سے باز رکھا تھا۔

باقی رہا ابوریّہ کا یہ دعویٰ کہ بعض صحابہ ابوہُریرہ سے نفرت کرتے تھے تو یہ صریح جھوٹ ہے جو

اس نے دانستہ وضع کیا ہے۔ ہم ابوریّہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی ایک ہی صحیح روایت سے اُس کو ثابت کرے۔ بخلاف ازیں ابوھُریرہ سب اہل اسلام کے محبوب تھے۔ خداوند کریم نے آپ کے بارے میں نبی کریم کی وہ دعا قبول فرمائی تھی جو صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں منقول ہے۔

(۶)۔ ابوریّہ لکھتا ہے :۔

"ابوھُریرہ کو ایک قرآنی آیت یاد ہوتی اور وہ دانستہ کسی صحابی سے پوچھتے تاکہ وہ اُن کی جانب متوجہ ہو اور ان کو کھانا کھلا دے۔ جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ابوہُریرہ یہی سلوک کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوہُریرہ حضرت جعفر کو ابوبکر و عمر و عثمان و علی و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل قرار دیتے ہیں" (دیکھئے ابوریّہ کی کتاب ص ۱۵۵)۔

ابوریّہ نے مذکورہ صدر عبارت میں کئی طرح کے کذب و افترا اور تضلیل سے کام لیا ہے۔ ابوریّہ کا یہ قول کہ "ابوہُریرہ کسی صحابی سے آیت دریافت کرتے حالانکہ وہ انہیں یاد ہوتی تھی" اس ضمن میں صحیح بخاری میں ابوہُریرہ کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں :۔

اِنِّی لَاَ سْتَقْرِئُ الرَّجُلَ۔ میں ایک شخص سے مہمانی طلب کرتا۔

ابوہُریرہ کا مقصد ان الفاظ سے یہی ہوتا تھا۔ مگر دوسرا شخص اس سے یہ مفہوم مراد لے سکتا ہے کہ "میں اس آدمی سے آیت کی قرأت دریافت کرتا" حالانکہ ابوہُریرہ یہ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ابوہریرہ کے الفاظ کا یہی مطلب بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محدث ابونُعیم نے اپنی کتاب الحلیہ میں ابوھُریرہ سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ واقعہ یوں ہُوا کہ ابوھُریرہ نے ایک مرتبہ حضرت عمر سے کہا "اِقْرِنِیْ" (مجھے مہمان ٹھہرائیے) حضرت عمر نے اس لفظ کو قرأت سے ماخوذ سمجھا اور ابوھُریرہ کو قرآن سنانا شروع کر دیا اور ان کو کھانا نہ کھلایا۔ ابوھُریرہ نے یہ سن کر کہا کہ "میرا مقصد تو کھانا طلب کرنا تھا۔" (فتح الباری، ج ۷۔ ص ۶۱)

جہاں تک ابوھُریرہ کے حضرت جعفر کی مدح و ستائش کرنے کا تعلق ہے ابوھُریرہ خود فرماتے ہیں کہ :۔

"جعفر ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور ما حضر پیش کر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ گھی کا

برتن بھی پیش کر دیتے جو خالی ہوتا اور جو کچھ اس میں ہوتا ہم چاٹ لیتے"۔ (صحیح بخاری)
اسی لیے ابوہریرہ کہا کرتے تھے کہ جعفر مساکین کے حق میں سب سے بہتر ہیں۔ اور یہ سچی بات ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی مجال نہیں۔ حضرت جعفر کا جود و سخا ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس سے رسول کریمؐ و صحابہ عام طور سے آگاہ و آشنا تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر کو ابوالمساکین کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔

(فتح الباری، ج ۷۔ ص ۶۲)

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفرؓ کو ابوالمساکین کے نام سے یاد کرتے تھے تو ان کی مدح و توصیف پر ابوہریرہ کو کس لیے ہدفِ تنقید بنایا جائے؟ حضرت ابوہریرہ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ادا کیا تھا کہ:۔

"کسی شخص نے رسول کریمؐ کے بعد جوتا نہیں پہنا نہ زمین کو روندا اور نہ سواری کی جو جعفر بن ابی طالب سے افضل ہو۔"

یہ حقیقت ہے کہ حضرت جعفر کا شمار ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا تھا جو فقراء و مساکین پر جان چھڑکتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابوہریرہ حضرت جعفر کو تمام صحابہ سے افضل تصور کرتے تھے اور اس طرح صحابہ کے مابین تفریق کا ارتکاب کرتے تھے تاکہ ابوریّہ کا یہ قول درست ہو کہ ابوہریرہ حضرت جعفر کو خلفاء راشدین سے بھی افضل قرار دیتے تھے۔ مزید یہ کہ ابوریّہ صحابہ کے اس حد تک قدر دان کب سے بن گئے کہ ان کو اس تفریق مدارج سے گھن آتی ہے۔ صحابہ کو جس قدر برا بھلا کہا جائے ان کو اسی قدر اس سے خوش ہونا چاہیئے۔ وہ تو خود کسی صحابی پر غفلت کا الزام عائد کرتے ہیں۔ کسی کو کذب و دروغ سے متہم کرتے ہیں اور کسی کو باطل پرست ٹھہراتے ہیں۔

ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوہریرہ حضرت جعفر کو جملہ صحابہ سے افضل نہیں سمجھتے تھے وہ دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے حضرت جعفر سے متعلق ابوہریرہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"حضرت جعفر مساکین و فقراء کا سب لوگوں سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے علی الاطلاق جعفر کی جو فضیلت بیان کی ہے وہ بھی اسی (حبِ مساکین) دائرہ میں محدود ہے۔" (فتح الباری، ج ۷۔ ص ۶۲)

(۷) ابوریہ نے ثعالبی اور بدیع الزمان ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ ایک خاص قسم کے کھانے کو بہت پسند کیا کرتے تھے جس کو "مضیرہ" کہتے تھے۔ ابوہریرہ اس ضمن میں اس قدر شہرت رکھتے تھے کہ ان کو "شیخ المضیرہ" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس کی دلیل میں انہوں نے عبدالحسین شرف الدین کے قول سے استشہاد کیا ہے کہ "حضرت علیؓ سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت معاویہؓ مرغن کھانوں کے دلدادہ تھے۔ اور امن وسکون کو پسند کرتے تھے۔" (ابوریہ، ص ۱۵۶-۱۵۷)

کتاب وسنت اور شرعی قواعد واحکام میں یہ بات کہیں مذکور نہیں کہ کسی خاص قسم کے کھانے کو پسند کرنا ممنوع ہے۔ بخلاف ازیں کتب حدیث میں مذکور ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ پنڈلی کا گوشت اور ثرید (شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی) بڑے شوق سے کھایا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ سید الرسل سب سے بڑے زاہد اور عظیم ترین رہنما وپیشوا تھے۔ درحقیقت دین اسلام میں شکم اور شرمگاہ کی رہبانیت کا تصور ہی موجود نہیں۔ بنابریں اگر ابوہریرہ کسی خاص قسم کے کھانے کو پسند کرتے ہوں تو اس سے ان کی دین داری اور ثقاہت وعدالت میں کیا فرق پڑ جائے گا۔

باقی رہی یہ بات کہ ابوھریرہ حضرت معاویہ کے یہاں ایک خاص قسم کا لذیذ کھانا کھانے اور حضرت علی کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو یہ ایک ایسی روایت ہے جو یا تو شیعہ کی کتب میں نقل کی گئی ہے اور یا ادب عربی کی ان کتب میں مرقوم ہے جن کے مصنفین اخبار وواقعات کی صحت یا عدم صحت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے مثلاً ثعالبی وبدیع الزمان ہمدانی نے اپنی تصانیف میں اس قسم کی روایات جمع کی ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ابوھریرہؓ نے حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے باہمی مجادلات میں حصہ نہیں لیا تھا۔ حضرت ابوھریرہ کی تلوار اور ان کی تاریخ کے صفحات اس فتنہ کی آلودگی سے اسی طرح پاک ہیں جس طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا دامن اس سے آلودہ نہیں ہوا۔ اس آلودگی کے ساتھ ابوہریرہ کو وہی لوگ ملوث کرتے ہیں۔ جن کے سینہ میں تعصب کی آگ بھڑک رہی ہو۔ جب ابوریہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر نہیں کرتا تو پھر ابوھریرہ کو وہ کس لیے ہدف طعن بناتا ہے صرف شیعہ کا فرقہ حضرت ابوہریرہ کو مطعون کرتا ہے اور بس۔

بہر کیف ایک جلیل القدر صحابی کو ان قصے کہانیوں کی اساس پر جرح و نقد کی آماجگاہ بنانا جو کتب ادب میں تمسخر و مذاق کے لیے نقل کی گئی ہیں اہل علم و انصاف کا شیوہ نہیں ہے۔ البتہ اس بات کا امکان ہے کہ یہ ابوریّہ کی نادر علمی تحقیق کا نمونہ ہو جو اپنے باب میں عدیم المثال ہے اور جس کی نظیر اس کائنات پر موجود ہی نہیں۔

(۸) ۔ ابوریّہ نے محدث ابونُعیم کی کتاب الحلیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے:

"میرے پیٹ کو خدا غارت کرے میں جب اسے سیر کرتا ہوں تو مجھے تنگ کرتا ہے اور اگر بھوکا رکھتا ہوں تو مجھے گالیاں دیتا ہے یا کمزور کر دیتا ہے۔" (ابوریّہ، ص ۱۵۱)

اس میں شبہ نہیں کہ ابونُعیم بہت بڑے حافظِ حدیث ہیں ۔ مگر انہوں نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاءؒ میں روایاتِ صحیحہ کا التزام نہیں کیا۔ علماء نے اس میں ذکر کردہ بکثرت احادیث کو موضوع و ضعیف ٹھہرایا ہے۔ ابوہریرہ کا مذکورہ صدر قول بھی انہی ضعیف روایات میں شامل ہے۔ اس قول کا راوی فرقد سبخی ضعیف ہے اور اس نے ابوہریرہ کا زمانہ نہیں پایا۔

اگر ابوہریرہ کے سابق الذکر قول کو صحیح قرار دیا جائے تو بھی اس میں کوئی قابل اعتراض بات موجود نہیں۔ ابوہریرہ نے جو بات کہی ہے وہ ہر شکم پر صادق آتی ہے۔ پیٹ کی یہ خاصیت ہے کہ جب بھرا ہُوا ہو تو انسان کبر و غرور کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر خالی ہو تو آدمی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ کیا ابوریّہ کے شکم پر یہ بات صادق نہیں آتی؟ کیا ابوریّہ اس زعم باطل کا شکار ہے کہ اس کا پیٹ بھوک اور سیری دونوں حالتوں میں صابر و شاکر اور پُر از اطمینان و سکون رہتا ہے۔

(۹) ۔ ابوریّہ نے کتاب الحلیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ سفر میں تھے۔ ان کے رفقاء نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا۔ ابوہریرہ کو بلایا وہ نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر کہا کہ میں روزہ سے ہوں۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو ابوہریرہ بھی آ گئے اور کھانا کھانے لگے۔ لوگوں نے قاصد کو گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔ اس نے پوچھا آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ بخدا ابوہریرہ نے مجھے کہا تھا کہ میں روزہ سے ہوں۔ ابوہریرہ کہنے لگے یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ ماہ رمضان کے روزے اور اس کے ساتھ ساتھ

ہر ماہ میں تین دن کے روزے ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہیں۔ میں نے اس ماہ کے آغاز میں تین دن کے روزے رکھ لیے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سہولت کے پیش نظر میں روزہ سے نہیں۔ البتہ اجر و ثواب کے اعتبار سے روزہ دار ہوں۔

(ابوریہ بحوالہ البدایہ والنہایہ، ج ۸ - ص ۱۱۲)

ابوریہ نے حضرت ابوھریرہ کے نقائص و عیوب کی طلب و تلاش کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کی حد یہ ہے کہ اُس نے ابوھریرہ کے مزاح و ظرافت کو بھی ان کے عیوب میں شمار کیا ہے۔ مذکورہ صدر واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ابوہریرہ ایک زندہ دل اور خوش طبع انسان تھے اور اسی چیز نے ان کو لوگوں میں مقبول و محبوب بنا دیا تھا۔

اب غور کیجئے مذکورہ صدر واقعہ سے ابوھریرہ کی عدالت و ثقاہت کیسے مجروح ہوگئی؟ آخر اس واقعہ میں ابوہریرہ سے کون سا گناہ صادر ہوا جس کی پاداش میں ابوریہ ان کو تنقید شدید کا نشانہ بنا رہا ہے؟ غالباً اندریں واقعہ ابوھریرہ سے زیادہ سے زیادہ جو جرم سرزد ہوا وہ یہ ہے کہ وہ شیریں کلام اور خوش مزاج تھے جب کہ ابوریہ کو ان کی یہ خوش مزاجی پسند نہیں۔ سچ ہے ؎

وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ

امام احمد بن حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ ابوریہ کو کہیں اس واقعہ کا پتہ نہ چل جائے اور وہ ابوھریرہ کی طرح جناب ابوذر غفاری پر گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دے۔

(۱۰) - ابوریہ نے علامہ ثعالبی کی تصنیف "خاص الخاص" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا:

"میں نے روٹی کی خوشبو سے بہتر کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی اور کھجوروں پر لگائے گئے مکھن سے بہتر کبھی کوئی سوار نہیں دیکھا۔" (ابوریہ ص ۱۵۸)

ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ثعالبی نے جو کچھ کہا ہے وہ قابل تسلیم ہے اور جس سند سے موصوف نے یہ واقعہ نقل کیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اس سے ابوھریرہ پر کیا جرح وارد ہو سکتی ہے؟ نیز یہ کہ اس واقعہ سے اصحاب دانش و بینش کے نزدیک ان کی عزت و عظمت میں کیا فرق

آسکتا ہے ؟ یہ تو صرف اس خوش مزاجی اور ظرافت کا ایک نمونہ ہے جس کے ابوہریرہ خوگر تھے۔ بخدا میں تو کسی بڑے سے بڑے آدمی سے بھی ایسی بات سنوں گا تو اسے خراج تحسین پیش کروں گا اور اُسے داد دیے بغیر نہ رہوں گا۔ خداوند کریم نے اگر کسی انسان کو عقل و دانش خوش طبعی اور ظرافت کا تحفہ دے رکھا ہو تو اس سے ابوریّہ جیسا زود رنج اور چڑچڑا شخص جبیں بجبیں کیوں ہونے لگے ؟

(۱۱) - بعد ازاں ابوریّہ نے حدیث "زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا" کے سلسلہ میں علامہ عسجدی کے ریمارکس حضرت ابوھریرہ کے بارے میں نقل کیے ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ عسجدی کون ہوتا ہے کہ اس کے قول کی اساس پر ابوہریرہ پر حجت قائم کی جائے اور ان کے خلاف عسجدی کی شہادت مسموع ہو۔

حضرت ابوھریرہ کی ظرافت و مزاح :

ابوریّہ نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ باجماع مورخین ابوھریرہ تمسخر و مذاق کے عادی اور ایک یاوہ گو شخص تھے۔ وہ کثیر الکلام تھے اور معیار سے گری ہوئی گفتگو کیا کرتے تھے۔

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ابوھریرہ کی بیہودہ گوئی پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے تو یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جو اللہ تعالیٰ ابوھریرہ تاریخ اسلام اور مورخین کے خلاف گھڑا گیا ہے کسی شخص نے آج تک ابوھریرہ کو بیہودہ گو قرار نہیں دیا۔ ہم ابوریّہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس کے اثبات میں وہ ایک صحیح روایت بھی پیش نہیں کر سکتا۔

باقی رہا ابوریّہ کا یہ دعویٰ کہ حضرت عائشہ نے ابوھریرہ کو یاوہ گو کہا تھا تو ہم احمد امین کے تذکرہ میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت عائشہ نے ابوہریرہؓ کی تردید کے سلسلہ میں سرے سے کچھ کہا ہی نہیں۔ چہ جائیکہ حضرت عائشہ انہیں یاوہ گو کہہ کر پکاریں بخلاف ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب و تلامذہ میں سے قیس اشجعی نے ابوہریرہ پر بلاشبہ تنقید کی تھی مگر انہیں بیہودہ گو نہیں کہا تھا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت عائشہ نے ابوھریرہ کی شان میں یہ الفاظ کہے تھے ——— حالانکہ ہم ابوریّہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ یہ بات ثابت نہیں کر سکتا ——— تو حضرت عائشہ اس ضمن میں صرف ایک شاہد ہیں ان کے ساتھ دوسرا کوئی گواہ شامل نہیں۔ پھر ابوریّہ کا یہ دعویٰ کیوں کر درست ہے کہ مورخین ابوھریرہ کی بیہودہ گوئی کے بارے میں یک زبان ہیں۔ کیا حضرت عائشہ کی

حیثیت ایک مورخ کی ہے ؟ اور کیا تنہا ان کی ذات میں سب مورخین جمع ہو گئے ہیں ؟ اس ضمن میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ " لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ "

ہم ابوریہ کو ہمیشہ چیلنج کرتے رہیں گے کہ وہ کسی ایک صحابی یا تابعی یا کسی ثقہ مورخ کا نام بتائے جس نے ابوھریرہ کو بیہودہ گو کہا ہو۔ اور اگر وہ ایسا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے دروغ گو ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

جہاں تک ابوھریرہ کی ظرافت ومزاح کا تعلق ہے تو وہ ایک ایسی بات ہے جس میں وہ مشہور تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تحفہ بھی خدا کا عطا کردہ ہے اور یہی چیز ابوھریرہ کے مقبول عام ہونے کا باعث تھی۔ ظاہر ہے کہ ظرافت ومزاح کو دین اسلام میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ اگر خوش مزاجی اور زندہ دلی اسلام میں ممنوع ہوتی تو زود رنجی، چڑچڑے پن اور درشتیٔ طبع کو اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ ہونا چاہیئے تھا۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	اگر آپ درشت طبع اور سنگ دل ہوتے
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔	تو لوگ آپ سے بدک جاتے۔

(آل عمران - ۱۵۹)

شرفاء کے نزدیک کبھی بھی مزاح وظرافت کو عیب شمار نہیں کیا گیا۔ رسول کریمؐ صحابہ سے مذاق کیا کرتے تھے۔ صحابہ آپس میں ایک دوسرے سے مذاق کرتے تھے۔ بعض صحابہ شرعی حدود کے اندر رہ کر دوسروں کے ساتھ خوش طبعی کیا کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک ابوھریرہ بھی تھے۔ جن دنوں ابوھریرہ مروان کی نیابت میں مدینہ کے امیر مقرر ہوئے وہ گدھے پر سوار ہوتے اور لوگوں سے کہتے جاتے تھے " امیر کے لیے راستہ چھوڑ دو " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوھریرہ بے حد شیریں کلام اور خوش مذاق واقع ہوئے تھے۔ گاہے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار میں داخل ہوتے اور کہتے " امیر کے لیے راستہ خالی کر دو " غور کیجیئے ان کے اس عجز وانکسار میں کس قدر عظمت پائی جاتی ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ عقل کے اندھے حاسدوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

جب کھانے کے لیے مدعو کیا جاتا تو کہتے میں روزہ سے ہوں۔ جب لوگ کھانا شروع کرتے تو ابوھریرہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور کہتے کہ میں اجر وثواب کے لحاظ سے روزہ دار ہوں

مگر خدا نے جو سہولت دے رکھی ہے اس کے پیش نظر بیمار روزہ نہیں ہے۔ یہ کتنا اچھا مذاق ہے؟

اور ابو ہریرہ کس قدر شیریں کلام اور زندہ دل واقع ہوئے تھے! ابو ھریرہ بعض دفعہ کسی کو رات کے کھانے پر بلاتے اور اس سے کہتے "ہڈی امیر کے لیے چھوڑ دو" مہمان سمجھتا کہ ابو ھریرہ گوشت کا سالن پیش کریں گے۔ مگر اس کی توقعات کے عین برخلاف وہ شوربے میں روٹی بھگو کر پیش کرتے اور اس میں زیتون کا تیل ڈال دیتے۔

ایک نوجوان ابو ھریرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آج صبح میں روزہ سے تھا میں اپنے والد کے یہاں گیا تو اس نے روٹی اور گوشت پیش کیا جو میں نے بھول کر کھا لیا۔ ابو ھریرہ نے کہا تجھے خدا نے کھلایا۔ اس لیے کوئی حرج نہیں۔ نوجوان نے کہا پھر میں کسی عزیز کے یہاں گیا تو اس نے دودھ پیش کیا جو بھول کر میں نے پی لیا۔ ابو ھریرہ نے کہا "کچھ حرج نہیں" نوجوان بولا "پھر اس کے بعد میں سو گیا جب بیدار ہوا تو بھول کر پانی پی لیا اور بیوی سے مجامعت کا بھی مرتکب ہوا" ابو ھریرہ نے کہا "میرے بھتیجے معاف رکھیے آپ روزہ کے عادی نہیں ہیں"!

اب بتائیے مذکورہ صدر مزاح و ظرافت میں دوسرے کی تذلیل کا کون سا عنصر شامل ہے؟ البتہ کوئی چڑچڑا اور سنگدل آدمی ایسا سمجھتا ہو تو الگ بات ہے۔

یہ ہے ابو ھریرہ کی ظرافت طبع جس پر بقول ابوریّہ مورخین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ مگر ابوریّہ نے ایک بات میں سب مورخین کی مخالفت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں مورخین نے ابو ھریرہ کی زندہ دلی اور خوش مزاجی پر اجماع قائم کیا ہے۔ وہاں بقول ابن کثیر وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ابو ھریرہ صادق القول زبردست حافظ حدیث نہایت دین دار اور عابد و زاہد انسان تھے (البدایہ والنہایہ، ج ۸ - ص ۱۱۰)

اب سوال یہ ہے کہ ابوریّہ نے اس ضمن میں مورخین کے اجماع کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ کیا وہ اس آیت کا مصداق بننا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ	اور جو ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ	مخالفت کرے اور اہل ایمان کو چھوڑ کر دوسرے
غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ	کے راستہ پہ چلے تو جدھر کو وہ مڑتا ہے ہم
مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ	اسی طرف موڑ دیتے ہیں اور ہم اسے جہنم میں

وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ○ داخل کریں گے اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں بکر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ باہم مذاق ۔۔۔۔ کرتے اور ایک دوسرے کی طرف تربوز پھینکا کرتے تھے۔ اگر ابوھریرہ اس امر کے مرتکب ہو گئے تو ابوریہ اس سے کیوں بگڑنے لگے؟ اسی طرح امام بخاری نے اپنی مذکورہ صدر کتاب میں عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام اپنی مجالس میں شعر پڑھا کرتے اور دورِ جاہلیت کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸۔ ص ۱۴۶)

امام بخاری نے الادب المفرد میں عبدالرحمٰن بن زیاد سے روایت کیا ہے۔ میرے والد نے بتایا کہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ہم نے ایک بحری جنگ میں شرکت کی۔ ہماری سواری حضرت ابوایوب انصاری کی سواری کے پاس سے گزری۔ جب صبح کا کھانا لایا گیا تو ہم نے ابوایوب انصاری کو بلایا۔ وہ تشریف لائے اور کہا آپ نے مجھے کھانے کی دعوت دی میں روزہ سے تھا۔ تاہم میں نے حاضر ہونا ضروری خیال کیا۔ اس لیے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ ان میں سے اگر ایک حق بھی ترک کر دیا تو ایک ضروری حق کے چھوڑنے کا مرتکب ہوا۔ وہ حقوق یہ ہیں کہ جب (۱) اُسے ملے تو سلام کہے۔ جب کھانے پر بلائے تو اس کی (۲) دعوت قبول کرے۔ جب (۳) چھینک کر الحمد للہ کہے تو اُس کا جواب دے۔ جب (۴) بیمار پڑے تو اُس کی بیمار پرسی کرے۔ جب (۵) فوت ہو تو اُس کے جنازہ میں شرکت کرے۔ جب (۶) مشورہ طلب کرے تو اُسے نیک مشورہ دے۔

ہمارے ساتھ ایک مسخرا آدمی بھی تھا اس نے کھانے میں شرکت کرنے والے ایک شخص سے کہا "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" وہ شخص سخت ناراض ہُوا۔ مذاق کرنے والے نے ابوایوب سے کہا اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ میں نے اُسے "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" کہا تو اُس نے ناراض ہو کر مجھے گالیاں دینی شروع کیں۔ ابوایوب بولے ہم کہا کرتے تھے کہ جس کی اصلاح خیر سے نہ ہو اس کے حق میں شر مفید ثابت ہوتی ہے۔ آپ بھی یونہی کریں۔ چنانچہ اس شخص نے کہا: جَزَاكَ اللّٰهُ شَرًّا وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا "تم مذاق سے باز نہیں آتے"، اس شخص نے کہا خدا ابوایوب انصاری کو جزائے خیر دے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸۔ ص ۲۲۷، ۲۲۸)

صحابہ اسی طرح ایک دوسرے سے مذاق کیا کرتے تھے۔ بنا بریں جو شخص اس کی مذمت کرتا ہے وہ دین کے ایک مباح کام پر تنقید کا مرتکب ہوتا ہے اور ایک ایسے خلق کو ناپسند کرتا ہے جو شرفا کی نگاہ میں ہمیشہ پسندیدہ رہا ہے۔

صحابہ ابوھریرہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے:

ابوریہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھتا ہے کہ لوگ ابوھریرہ کی کثرتِ روایت اور ان کی مرویات کی گونا گونی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابورافع کا بیان ہے کہ قبیلہ قریش کا ایک آدمی ابوھریرہ کے یہاں آیا۔ اس نے ایک سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ اور اس میں بڑے ناز و انداز کے ساتھ چل رہا تھا اس نے ابوھریرہ کو مخاطب کر کے کہا آپ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، کیا آپ نے میرے سوٹ کے بارے میں بھی کوئی حدیث سُنی ہے؟ ابوھریرہ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا فرماتے تھے وہ پہلی اُمتوں میں ایک شخص تھا اس نے سوٹ پہنا ہوا تھا اور مٹک مٹک کر چل رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں گھسیڑ دیا اور وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ بخدا مجھے معلوم نہیں وہ شخص کہیں تمہارے ہی قبیلہ کا نہ ہو۔ ابوریہ نے اس کو ابن کثیر کی طرف منسوب کیا ہے

ابوریہ کہتا ہے اس شخص کے سوال سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوھریرہ سے پوچھ نہیں رہا تھا۔ بلکہ ان کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس لیے کہ اس نے ابوھریرہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ بہت سی احادیث کے حافظ ہیں۔ بخلاف ازیں اس نے یہ کہا تھا کہ آپ حدیثیں بہت روایت کرتے ہیں۔ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد ابوھریرہ کا مذاق اڑانا تھا۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) - پہلی بات یہ ہے کہ سائل نہ تو صحابہ میں سے تھا اور نہ ان تابعین میں سے جنہوں نے صحابہ کرام سے شریعت کے احکام و آداب سیکھے تھے۔ بخلاف ازیں وہ ایک آوارہ مزاج قریشی نوجوان تھا۔ ایسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ ابوھریرہ جیسے جلیل القدر صحابی کے علم و فضل کا قدر دان ہو سکے گا۔

(۲) - وہ ایک عیش پسند اور لاپرواہ نوجوان تھا جو ایک قیمتی سوٹ زیب تن کیئے ناز و انداز سے چل رہا تھا۔ اسی آوارگی کے عالم میں اس نے ابوھریرہ سے دریافت کیا کہ کیا اُس کے

سوٹ کے بارے میں ان کو کوئی حدیث یاد ہے؟ اس کے جواب میں ابوھُریرہ نے وہ حدیث بیان کردی۔ سنن دارمی جلد ۱، ص ۱۱۶ پر مرقوم ہے کہ اس نوجوان نے ابوھُریرہ سے کہا کہ کیا وہ نوجوان (جس کا واقعہ انہوں نے بیان کیا) اس طرح چلتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک خاص انداز سے چل کر دکھایا۔ اسی دوران اسے ایسی ٹھوکر لگی کہ پاؤں ٹوٹنے لگا۔ ابوھُریرہ نے کہا "اس طرح منہ اور نتھنوں کے بل گرو"۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ — مذاق کرنے والوں سے ہم نے آپ کو بچالیا

یہ حضرت ابوھُریرہ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مذاق اڑانے والے آوارہ مزاج شخص کو اس طرح سزا دی۔

(۳) - اس میں شک نہیں کہ بدکار لوگ ہمیشہ سے علماء صلحاء انبیاء اور اصحابِ علم وفضل کا مذاق اُڑاتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے بکثرت مقامات میں مذکور ہے۔ آج تک کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ کم عقل لوگوں کے اس فعل سے ان کی عزت وعظمت میں کچھ فرق آگیا تھا۔

(۴) یہ اپنی نوعیت کا صرف ایک ہی واقعہ ہے جو ابوھُریرہ کو پیش آیا۔ اگر اس قسم کا کوئی اور واقعہ ابوریہ کو مل سکتا تو وہ اُسے ذکر کیے بغیر نہ چھوڑتا۔ پھر ابوریہ کا یہ قول کیوں کر درست ہے کہ "لوگ ابوھریرہ کا مذاق اُڑایا کرتے تھے" ابوریہ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسے واقعات ابوھُریرہ کو بڑی کثرت سے پیش آیا کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا کوئی دوسرا حادثہ ابوھُریرہ کو پیش ہی نہیں آیا۔ پھر اس ایک واقعہ سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ ابوھُریرہ کے عصر وعہد میں جو صحابہ وتابعین علم وفضل کے حامل تھے وہ ابوھُریرہ کی مرویات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

ابوریہ کے بیان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وہ ایک صاحبِ غرض شخص ہے جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ابوھُریرہ میں کوئی عیب تلاش کرے اور اس سے اپنے باطل کو تقویت بہم پہنچائے۔ وہ ایک محقق نہیں جو حقیقت کی طلب وتلاش میں پورے اخلاص کے ساتھ ہمہ وقت سعی وجہد ہو۔ ہر شخص اپنی منزل کا تعین خود ہی کرتا ہے۔ ابوریہ کی تحقیقاتِ نادرہ کا مقصد صرف ایک

ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ دروغ گو اور افتراء پردازوں کے زمرہ میں شامل ہو۔ جہاں تک حضرت ابوھریرہ کا تعلق ہے ان کا دامن اس آلودگی سے پاک ہے اور خداوند کریم نے ان کو اس نام نہاد محقق کے الزامات و اتہامات سے بری الذمہ کر دیا ہے۔

ابوھریرہ کی کثرت روایت :

ابوریہ نے ابوھریرہ کو کثرتِ روایت کی بناء پر مطعون کیا ہے۔ بقی بن مخلد کی مسند سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوھریرہ سے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک ان سب احادیث کے طرق و اسانید محل نظر ہیں۔ ابوریہ اس پر اظہار حیرت کرتا ہوا کہتا ہے کہ ابوھریرہ صرف تین سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف رہے پھر اس قدر احادیث انہوں نے کیونکر آپ سے سن لیں ؟

ہم قبل ازیں اس سوال کا جواب دے چکے ہیں کہ ابوھریرہ نے اس قدر قلیل مدت میں اتنی زیادہ احادیث کیوں کر روایت کیں۔ مزید برآں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ مفسر ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت حسن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کرنے کے سلسلہ میں مروان بن حکم اور ابوھریرہ کے مابین اختلاف پیدا ہوا تو مروان نے ناراض ہو کر کہا " لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے رسول کریم ؐ سے بہت حدیثیں روایت کیں۔ حالانکہ آنحضور کی وفات سے بہت تھوڑا عرصہ پہلے آپ مدینہ میں آئے تھے "

حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا :

"یہ درست ہے کہ میں ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میری عمر تیس[۳۰] سال سے زیادہ تھی۔ بعد ازاں میں آپ کی وفات تک آپ سے وابستہ رہا۔ میں آپ کے ہمراہ ازواج مطہرات کے گھروں میں جا کر آپ کی خدمت بجالاتا رہا۔ میں ان دنوں تنگدست تھا۔ میں آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتا آپ کے ہمراہ حج اور غزوات کے لیے جاتا۔ خدا جانتا ہے کہ میں حدیثوں کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے مہاجرین و انصار ہجرت و صحبت میں مجھ پر فوقیت رکھتے تھے۔ وہ آنحضورؐ کے ساتھ میری وابستگی سے آگاہ و آشنا تھے

اس لیے وہ مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہم کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ بخدا مدینہ میں آنحضورؐ کی جو حدیث بھی تھی، مجھ سے پوشیدہ نہ تھی۔ اسی طرح میں ان صحابہ سے بخوبی واقف تھا جن کو آنحضورؐ کے یہاں تقرب حاصل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ آنحضورؐ کے غار کے ساتھی تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ (یہ مروان بن حکم کی جانب اشارہ تھا) مروان جو چاہے مجھ سے دریافت کرے وہ میرے پاس معلومات کا خاصا ذخیرہ پائے گا۔ ابوھریرہ کہتے ہیں اس کے بعد مروان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ مجھ سے ترساں و لرزاں رہا کرتا تھا۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوھریرہ نے مروان کو مخاطب کر کے کہا:۔

"میں اپنی مرضی سے اسلام لایا اور ہجرت کی۔ مجھے آنحضورؐ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ بخلاف ازیں تم گھر کے مالک تھے اور اس جگہ پیدا ہوئے تھے جہاں سے دعوت کا آغاز ہوا۔ تم نے داعی (نبی کریمؐ) کو ان کے گھر بار سے نکال دیا۔ تم نے آنحضورؐ اور آپ کے رفقاء کو ستایا۔ تم ناپسندیدہ وقت میں میرے بعد اسلام لائے۔" مروان یہ سُن کر سخت نادم ہوا کہ اس نے ابوھریرہ کے ساتھ یہ موضوع کیوں چھیڑا۔"

(البدایہ والنہایہ، ج ۸ - ص ۱۰۸)

یہ بات کسی شک و شبہ سے بالا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی چیز کے لیے وقف کر دے اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن جہد و سعی کرے وہ تھوڑی مدت میں اس چیز کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے جو دوسروں کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بعض تلامذہ کا تعلق اپنے استاد کے ساتھ نئے نئے استوار ہوتا ہے اور وہ بہت تھوڑی مدت اس کی صحبت میں گزارتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ وہ اپنے استاد کے چھوٹے بڑے احوال و کوائف کے بارے میں ایک قابل اعتماد مصدر و مآخذ سمجھے جاتے ہیں۔ بخلاف ازیں بڑے اور قدیم تلامذہ ان کوائف سے ناآشنا ہوتے ہیں اور وہ پچھلے شاگرد کے بیان کردہ حقائق پر پوری طرح اعتماد کرتے ہیں۔

پھر ابوھریرہ کے قابل اعتماد ہونے کے بارے میں کیا شبہ باقی رہا؟ ضرورت صرف صداقت

بیاقی کی تھی اور صحابہ کرام اور ان کے معاصر تابعین ان کو ہمیشہ صادق القول تصور کرتے آئے ہیں - یہ ہے صحیح اور سچی تاریخ کا فیصلہ ابوھریرہ کے بارے میں! ابوریہ نے اس ضمن میں جو کچھ ذکر کیا ہے کہ صحابہ ابوھریرہ کو جھٹلاتے تھے یا ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے سفید جھوٹ ہے جو ایسے مصادر و مآخذ سے اخذ کیا گیا ہے جن کو "علمی مصادر" قرار دیتے ہوئے ایک طالب علم کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے - مگر ابوریہ کی جسارت ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے نزدیک ان مصادر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں -

اب ہم مختصراً ابوریہ کے مزعومات باطلہ کا پردہ فاش کرتے ہیں[1] -

(۱) - ابوریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر نے ابوھریرہ کو درّہ سے مارا اور کہا تھا :

"تو نے بہت حدیثیں روایت کی ہیں - گمان غالب یہ ہے کہ تو نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے"

ہم ابوریہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی قابل اعتماد مستند کتاب میں یہ عبارت ہمیں دکھائے - البتہ عربی ادب کی وہ کتب ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں جو ہر قسم کے رطب و یابس واقعات پر مشتمل ہیں - اسی طرح شیعہ فرقہ کی کتب بھی ابوھریرہ کے بغض و عداوت اور افتراء پردازی کے واقعات سے معمور ہیں - اصحاب علم و فضل کے نزدیک ایسی کتب کو کوئی وقعت و اہمیت حاصل نہیں ابوریہ مختلف کتب سے اقتباسات نقل کرنے کا عادی ہے - اگرچہ اس کی کتاب کا مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت بخوبی عیاں ہے کہ وہ اقتباسات میں تصرف کر دیا کرتا ہے - مگر بایں ہمہ اس نے اس واقعہ کے اثبات میں کسی کتاب کا نام نہیں لیا - اب سوال یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ البتہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، ج ۱ - ص ۳۶۰ میں الاسکافی کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے - ابوریہ کے نزدیک یہ دونوں مصادر قابل اعتماد ہیں -

---

[1] جن دنوں یہ بحث زیر قلم تھی میں شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا - دوسری جانب ناشر تقاضا کر رہا تھا کہ کتاب طبع کرنے کے لیے یہ بحث جلد ارسال کی جائے - لہٰذا مجھے انتہائی اختصار سے کام لینا پڑا - خیال یہ تھا کہ ابوھریرہ کے بارے میں ایک جداگانہ مستقل کتاب تحریر کروں گا اور منکرین حدیث کے لایعنی اور بیکار اعتراضات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دوں گا - اس عزم کے پیش نظر اس ضمن میں اختصار سے کام لے رہا ہوں - (مصنف)

(۲) ۔ ابوریّہ نے ابن کثیر اور ابن عساکر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوھُریرہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے اسی طرح حدیثیں روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو میں تمہیں تمہارے علاقہ کی طرف جلاوطن کر دوں گا۔

جہاں تک حدیثیں روایت کرنے سے منع کرنے کا تعلق ہے، اس میں ابوھُریرہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ باقی رہی جلاوطن کرنے کی دھمکی تو یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔ ہم آغاز کتاب میں ذکر کر چکے ہیں کہ حدیث کی نقل و کتابت کے بارے میں حضرت عمر کی کیا رائے تھی حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہ میں تجھے جلاوطن کر دوں گا ابوریّہ کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اس ضمن میں ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

"حضرت عمرؓ نے کعب الاحبار سے کہا کہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں جلاوطن کر دوں گا۔" (البدایہ والنہایہ، ج ۸ ۔ ص ۱۰۸)

یہ دھمکی آپ نے کعب الاحبار کو اس لئے دی تھی کہ وہ اسرائیلی روایات ذکر کرنا چھوڑ دیں ابوھُریرہ کا اس سے کچھ تعلق نہیں۔

ابن کثیر نے جہاں یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے ابوھُریرہ کو حدیثیں روایت کرنے سے روکا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ بعض لوگ احادیث کو بے محل استعمال کرتے ہیں اور ان میں جو رخصت مذکور ہوتی ہے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ نیز اس لیے کہ جو شخص زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہو اس سے غلطی اور خطاء کے صدور کا احتمال ہوتا ہے۔ لوگ اس سے سن کر اس حدیث کو آگے پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کو غلطی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بعد ازاں حضرت عمر نے ابوھُریرہ کو حدیثیں روایت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ ابن کثیر نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ یہ ہے حضرت عمر کا اصلی موقف روایت حدیث کے بارے میں! نہ کہ وہ جو ابوریّہ جیسے عظیم محقق نے بیان کیا۔

(۳) ۔ ابوریّہ نے دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ نے ابوھُریرہ کو جھوٹ سے متہم کیا اور ان کو مطعون کیا تھا۔ ابوھُریرہ کو ہدفِ تنقید بنانے والوں میں حضرت عائشہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ ابوریّہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "تاویل مختلف الحدیث ۴۸"

پر یہ بات تحریر کی ہے۔

ابوریّہ نے اس قول کو ابن قتیبہ کی جانب منسوب کر کے ایک خطرناک جھوٹ باندھا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ابن قتیبہ نے یہ قول نظام اور دیگر معتزلہ سے نقل کیا اور پھر اس کی زبردست تردید کر کے ابوھُریرہ کا دفاع کیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ابن قتیبہ کی کتاب "تاویل الحدیث" کا صرف ایک ہی نسخہ نہیں جو ابوریّہ کے قبضہ میں ہو اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس بات کو ابن قتیبہ کی جانب منسوب کر سکے جو اس نے معتزلہ سے نقل کی ہے۔ بخلاف ازیں مذکورہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور علماء اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ انتہائی جسارت اور بے باکی ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو اہل علم کے زمرہ میں شمار کرتا ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا رسوائے عالم جھوٹ بولے اور اس کو ایک نادر علمی تحقیق قرار دے۔ حق بات تو یہ ہے کہ ابوریّہ دروغ گوئی اور عبارتوں کی کتر بیونت اور تحریف میں مستشرقین سے بھی گوئے سبقت لے گیا ہے۔

ہم ابوریّہ اور ابوھُریرہ کے خلاف بیہودہ گوئی کرنے والے اس کے ہمنواؤں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی قابل اعتماد تاریخی شہادت پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی و عائشہ رضی اللہ عنہم یا کسی اور صحابی نے ابوھُریرہ کی جانب حدیث رسول میں دروغ گوئی کو منسوب کیا ہو۔ اِن شاء اللہ العزیز ابوھُریرہ کے خلاف کینہ رکھنے والوں کی گردنیں تلاش کرتے کرتے ٹوٹ جائیں گی۔ مگر حسب مدّعا وہ ایک تاریخی شہادت کے تلاش کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ البتہ ابوریّہ اور اس کے ہمنوا اگر کوئی عبارت عیون الاخبار یا بدائع الزھور جیسی غیر مستند کتب یا ابن ابی الحدید الاسکافی اور نظام معتزلی وغیرھم جیسے غیر ثقہ راویوں سے نقل کریں تو ہم اس پر اعتماد نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ اس قسم کی کتب اور ایسے غیر ثقہ راوی علم اور علماء کے میدان میں کسی وقعت و اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گاہے ابوھُریرہ کی مرویات کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ اس کے جواب میں ابوھُریرہ کہتے کہ آپ گھر کی چار دیواری میں محصور زیب و زینت میں مشغول رہتی ہیں۔ اور ادھر میری یہ حالت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ گھومتا پھرتا، اور آپ سے حدیثیں سنتا رہتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ اعتراف کرتیں اور فرماتیں کہ ابوھُریرہ ٹھیک کہتے ہیں۔ امّ المومنین کی جانب سے یہ حق و صداقت کا اعتراف ہے جس سے ابوریّہ اور اس کے ہم خیال منکرین حدیث محروم ہیں۔

ہم نے قبل ازیں ابوھُریرہ پر حضرت عائشہ کے جس اعتراض کا ذکر کیا ہے وہ دراصل اصحاب عبداللہ بن مسعود میں سے قیس اشجعی نامی شخص نے کیا تھا جنبی شخص کے روزہ کے بارے میں حضرت عائشہ نے ابوھُریرہ پر جو اعتراض وارد کیا تھا اس کے جواب میں ابوھُریرہ نے اعتراف کیا تھا کہ گھریلو حالات و کوائف کے بارے میں حضرت عائشہ کا بیان صحیح تر ہے۔ اس سے ابوھُریرہ کی فضیلت کا پہلو نکلتا ہے کہ آپ نے کس جرأت سے حق و صداقت کا اعتراف کیا۔ بخلاف ازیں ابوریّہ جرأتِ حق گوئی سے یکسر محروم ہے۔ مزید برآں ابوھُریرہ نے بتا دیا تھا کہ انہوں نے یہ حدیث کسی دوسرے صحابی سے سُنی تھی۔ براہ راست آنحضورؐ سے نہیں سُنی۔ ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس ضمن میں متعدّد تابعین و مجتہدین نے ابوھُریرہ کا مسلک اختیار کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے۔

(۴) ۔ ابوریّہ نے ابن کثیر سے نقل کیا ہے کہ حضرت زُبیر نے جب ابوھُریرہ کی روایت کردہ حدیثیں سُنی تو فرمایا: "صَدَقَ کَذَبَ" (اس نے سچ بولا اور جھوٹ کہا)

ابوریّہ نے اس قول کے نقل کرنے میں اہل کتاب کا رویّہ اختیار کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

يُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ — کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان لاتے ہیں اور
يَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ — دوسرے سے انکار کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے حضرت زُبیر کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ عُروہ نے اپنے والد زُبیر سے کہا "ابا جان! اس بات کا کیا مطلب کہ "صَدَقَ کَذَبَ"۔ حضرت زُبیر نے کہا "میرے پیارے بیٹے! اس میں شک نہیں کہ ابوھُریرہ نے یہ حدیثیں رسول کریمؐ سے ضرور سُنی ہیں۔ مگر ابوھُریرہ بعض حدیثوں کو برمحل اور بعض کو بے محل استعمال کرتے ہیں۔"

(البدایہ والنہایہ، ج ۸۔ ص ۱۰۹)

اب یہ غور کرنے کی بات ہے کہ آیا زُبیر ابوھُریرہ کو جھٹلا رہے ہیں یا ان کی راست گوئی کا اعتراف

کر رہے ہیں ؟ باقی رہا حضرت زُبیر کا یہ قول کہ ابو ھُریرہ حدیث کو بے موقع استعمال کرتے ہیں اور صحیح طور سے اسے سمجھ نہیں پائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جو وجوب اباحت یا استحباب مذکور ہوتا ہے، ابو ھُریرہ کما حقہٗ اس کے فہم وادراک سے قاصر رہتے ہیں یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ابو ھُریرہ کا دامن داغدار نہیں ہوتا، اور اس سے ان کی صداقت و امانت متاثر نہیں ہوتی۔

(۵) ابوریّہ نے نقل کیا ہے کہ جب ابو ھریرہ نے یہ حدیث سنائی کہ "جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو جنازہ اٹھائے وہ دوبارہ وضو کرے" تو عبداللہ بن مسعود نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ابو ھریرہ کو سخت سُست کہا اور فرمایا ارے لوگو! تم میت کو ہاتھ لگانے سے نجس نہیں ہو جاتے۔ ابوریّہ نے اس کے اثبات میں ابن عبدالبرّ کی جامع بیان العلم کا حوالہ دیا ہے۔

ابوریّہ کے مذکورہ صدر بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ علمی امانت و دیانت سے عاری ہے۔ اس کا مقصد وحید لوگوں کو گمراہ کرنا قارئین کو دھوکہ دینا اور علمی حقائق کو الٹ پلٹ کر کے پیش کرنا ہے۔

ابن عبدالبرّ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم کی ایک فصل میں علماء کے ایسے اقوال و فتاویٰ کا تذکرہ کیا ہے، جن میں انہوں نے ایک دوسرے کی تردید کی اور اس کے فتویٰ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ابن عبدالبرّ اس میں لکھتے ہیں کہ مرتدین کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے سلسلہ میں جب صحابہ نے حضرت ابوبکر سے اختلاف کیا تو ابوبکر نے ان کی تردید کی۔ جب عبداللہ بن عمر نے یہ حدیث سنائی کہ "میت پر نوحہ گری کرنے سے اس کو عذاب دیا جاتا ہے" تو حضرت عائشہ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ عبداللہ نے اس میں غلطی لگائی ہے یا وہ بھول گئے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کئے ان کی تعداد کے بارے میں بھی حضرت عائشہ نے جناب عبداللہ بن عمر سے اختلاف کیا تھا۔ اسی طرح تقسیم وراثت کے ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضرت ابوموسےٰ اور سلمان بن ربیعہ سے اختلاف کیا تھا۔ اسی ضمن میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب ابو ھریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ "جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے" تو ابن مسعود نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ صدر بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابو ھریرہ نے اس ضمن میں فتویٰ دیا اور

ابن مسعود نے ان کے فتویٰ کی تردید کی تھی - ابن مسعود نے ابوھریرہ کی روایت کردہ حدیث کو جھٹلایا نہ تھا۔ پھر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے روایت حدیث میں ابوھریرہ کی تکذیب کی تھی؟ مزید براں کثیر فقہا نے غسل میت کے سلسلہ میں ابوھریرہ کے فتویٰ پر عمل کیا - بلکہ بعض نے غسل کو واجب اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔

(۶) ابوریہ نے اپنی "نادر اور بے نظیر علمی تحقیقات" کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا ہے کہ

"صحابہ نے جس طرح ابوہریرہ کو ہدفِ تنقید بنایا اور اس کی مرویات کے بارے میں جن شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا کتاب کی تنگ دامانی کی وجہ سے ہیں اس کی تفصیلات بیان کرنے سے قاصر ہوں"

یہ صاف کذب وبہتان ہے - حقیقت یہ ہے کہ ابوھریرہ کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا تھا ابوریہ نے وہ سب کچھ اگل دیا ہے اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی - اس کی حد یہ ہے کہ ابوریہ بہت دُور کی کوڑی لایا ہے اور ان ادبی کتب سے بھی اس نے ابوہُریرہ سے متعلق مواد فراہم کیا ہے جن کو کوئی علمی اہمیت حاصل نہیں - پھر ابوھریرہ کے عیوب ونقائص کی طلب وتلاش میں اس نے کون سا دقیقہ فروگزاشت کیا؟

یہ ٹھیک ہے کہ بعض صحابہ نے ابوہُریرہ کے قول کو ردّ کر دیا تھا - اس ضمن میں ہم ایک مختصر بات کہنا چاہتے ہیں اور وہ ہے کہ ابوہُریرہ حدیث نبوی کا جو ظاہری مفہوم بلا تاویل سمجھتے تھے اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے - بخلاف ازیں بعض صحابہ ان کی تردید کرتے اور ان کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتے تھے - البتہ وہ روایت کردہ حدیث کی تکذیب وتردید کے مرتکب نہیں ہوتے تھے - صحابہ کے مابین ایسے اختلافات رُونما ہوتے رہتے تھے - بارہا اس قسم کا نزاع واختلاف حضرات عمر وعلی وابن مسعود وابن عمر وابوموسیٰ اشعری وعائشہ ومعاذ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی اٹھا - ان کے اخبار واحوال معلوم کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے - ابن عبد البر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں ایک خاص فصل منعقد کرکے اس قسم کے اختلافات ذکر کئے ہیں - اہل علم شروع ہی سے ایسے مسائل میں ایک دوسرے کی تردید کرتے چلے آئے ہیں - مگر کسی نے بھی اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا کہ انہوں نے دوسرے علماء کی صداقت وثقاہت اور علمی امانت ودیانت کو تنقید کی آماجگاہ بنایا تھا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے إعلام الموقّعین اور اپنی دیگر تصانیف میں بیان کیا ہے کہ حضرت

ابوھریرہ فتویٰ دینے والے صحابہ کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے ۔ بعض علماء نے ایک مستقل کتاب میں ابوہریرہ کے فتاویٰ کو جمع کر دیا ہے ۔

(۷) ابوریہ نے کچھ من گھڑت واقعات ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی سعی ناکام کی ہے کہ صحابہ کرام ابوہریرہ کی مرویات کو تسلیم نہیں کیا کرتے تھے ۔ ابوریہ نے امام ابوحنیفہؒ کی جانب ایک جھوٹی روایت منسوب کی ہے کہ وہ ابوہریرہ کی مرویات سے استناد نہیں کیا کرتے تھے ۔

ہم پورے جزم و وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس روایت کی نسبت جناب امام کی طرف درست نہیں ۔ حنفی فقہ ایسے احکام و مسائل سے بھرپور و معمور ہے جو صرف ابوہریرہ کی مرویات پر مبنی ہیں ، اور دوسری کسی حدیث سے ثابت نہیں ۔ باقی رہا ابوریہ کا یہ قول کہ فقہائے حنفیہ ابوہریرہ کو فقیہ قرار نہیں دیتے تو یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو راسخ فی العلم نہ ہو ۔ مشہور منکر حدیث احمد امین کی تردید کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حنفی فقہاء ابوھریرہ کی فقہ دانی پر متفق ہیں ۔ البتہ ابن ابان اور ان کے ہم نوا اس کو تسلیم نہیں کرتے ۔ شمس الائمہ سرخسی نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ احناف ابوہریرہ کا بے حد اکرام و احترام کرتے ہیں اور ان کی عدالت و ثقاہت اور حفظ و ضبط کے معترف ہیں ۔

(۸) ابوریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ دیگر صحابہ مثلاً انس و معاذ و عبداللہ بن عمر کی طرح ابوھریرہؓ اصاغر صحابہ سے روایت کرتے اور پھر اس کو رسول کریم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے ۔ اسی کا نام تدلیس ہے ۔ پھر ابوریہ نے تدلیس اور مدلسین کے بارے میں محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں ۔

ابوریہ نے یہاں سخت دھوکہ دیا اور بذاتِ خود تدلیس (فریب دہی) کا ارتکاب کیا ہے ۔ جب ایک صحابی دوسرے صحابی سے حدیث روایت کرے اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دے تو اس کو تدلیس نہیں بلکہ ارسال کہتے ہیں ۔ اس بات پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے ، کہ مراسیل صحابہ قابل قبول ہیں ۔ اس لئے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی ہی سے روایت کرتا ہے اور صحابہ سب عدول ہیں ۔ باقی رہا یہ احتمال کہ ایک صحابی تابعین سے بھی حدیث روایت کر سکتا ہے تو یہ بہت کمزور اور غیر معقول احتمال ہے ۔ اسی لئے صحابہ کی مرسل روایات اجماعاً مقبول ہیں ۔

نظر بریں ابوریہ کا اس کو تدلیس قرار دینا اور پھر تدلیس و مدلسین کے بارے میں محدثین کے

اقوال نقل کرنا صحیح معنی میں تدلیس (دھوکہ بازی) ہے۔ اگرچہ علم حدیث میں تدلیس کے مرتکب کو عدالت وثقاہت کے مرتبہ سے ساقط قرار نہیں دیا جاتا، اس لئے کہ کبار ائمہ حدیث سے تدلیس (بمعنی اصطلاحی) کا فعل سرزد ہوتا رہا ہے۔ مگر ابوریہ نے جس تدلیس (بمعنی لغوی یعنی فریب دہی) کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کی اساس پر وہ علمائے محققین کے مقام پر فائز ہونے کا اہل نہیں رہا۔ لہذا نہ اس کے فہم و ادراک پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ علمی امانت و دیانت پر۔ ٹھیک ہے باطل کے پرستار اسی طرح مقام رفیع سے نیچے گرا کرتے اور ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔

ابوریہ نے مشہور محدث شعبہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ طباعتی تحریف کا بدترین نمونہ ہیں اور ان کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی محدث سے ایسے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ ایسے الفاظ تو ایک بتدی طالب علم سے بھی صادر نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ شعبہ جیسا عظیم محدث ایسی بات کہے۔

(۹) ابوریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وضع کردہ حدیث سے کسی حلال چیز کی تحریم یا کسی حرام چیز کی تحلیل نہ ہوتی ہو۔ اس کے اثبات میں ابوریہ نے متعدد احادیث سے استشہاد کیا ہے جو ابوہریرہ رض سے مروی ہیں، اور ان کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی گئی ہے۔ مثلاً یہ حدیث کہ "جب تم کسی حلال چیز کو حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ کسی حرام چیز کو حلال قرار دو تو اس کو آپ کی جانب منسوب کرنے میں کچھ حرج نہیں۔" نیز یہ حدیث کہ "جس نے رضائے الٰہی کے لئے کوئی حدیث بیان کی تو وہ میں نے بیان کی ہے، اگرچہ وہ میں نے بذاتِ خود نہ ذکر کی ہو۔"

ائمہ حدیث نے ایسی احادیث کو چن چن کر موضوعات میں جمع کر دیا ہے اور ان کے واضعین اور ضعیف راویوں کی نشان دہی کی ہے، جنہوں نے ایسی حدیثیں گھڑ کر ان کو ابوہریرہ کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے کسی حدیث کی نسبت بھی ابوہریرہ کی جانب درست نہیں۔ اس میں ابوہریرہ کا کیا قصور ہے؟ جب کوئی حدیث گھڑ کر جھوٹ موٹ کسی شخص کی جانب منسوب کر دی گئی ہو تو یہ کہاں کی علمی تحقیق ہے کہ اس شخص کو بلا وجہ بدنام کیا جائے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اسی قسم کی ایک حدیث کو کتاب الاحکام ابن حزم کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ ابن حزم نے اس کو موضوع کہا اور اس کے واضع کی مذمت کی ہے۔ ہم قبل ازیں اس پر روشنی

ڈال چکے ہیں ۔ آخر ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ابوریہ نے فنِ حدیث سے بے بہرہ قارئین کو گمراہ کرنے کی سعیِ لاحاصل کی ہے ۔ اس لئے کہ جو شخص فنِ حدیث سے نابلد ہو، اس کے دھوکہ کھا جانے کا احتمال ہوتا ہے وہ بہت بڑا ادیب ہی کیوں نہ ہو ۔

(۱۰) ابوریہ کا قول ہے کہ ابوھریرہ کعب الاحبار سے حدیثیں سنتے اور پھر ان کو نبی کریمؐ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے ۔ یہ ایک ایسا بے بنیاد دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل ابوریہ کے پاس موجود ہی نہیں البتہ ابوریہ نے حسبِ عادت اس کے اثبات میں ظن و تخمین سے کام لیا اور علماء کی عبارتیں توڑ مروڑ کر پیش کی ہیں ۔ ابوریہ نے ذکر کیا ہے کہ محدثین نے اکابر کی اصاغر سے روایتِ حدیث کے سلسلہ میں ابوہریرہ عبادلہ اربعہ معاویہ انس اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نام ذکر کئے ہیں کہ یہ لوگ کعب الاحبار سے روایت کیا کرتے تھے ۔ ابوریہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر صحابہ کعب الاحبار سے نبی کریمؐ کی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے ۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے، اس لئے کہ کعب الاحبار نے آنحضورؐ کا زمانہ نہیں پایا ۔ پھر صحابہ ایک ایسے شخص سے کیوں کر حدیثیں روایت کر سکتے تھے جس نے آپ کا زمانہ ہی نہیں پایا ۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ صحابہ کرام کعب الاحبار اور دیگر نومسلم اہلِ کتاب علماء سے اقوامِ سابقہ کے اخبار و واقعات روایت کیا کرتے تھے ۔

احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ۔

" اہلِ کتاب کی نہ تکذیب کرو اور نہ تصدیق "

اقوامِ سابقہ کے اخبار و واقعات اہلِ کتاب سے عبرت پذیری کے نقطۂ خیال سے روایت کئے جاتے تھے ۔ اس لئے نہیں کہ ان واقعات کو قرآنی احکام کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے ، اس میں شک نہیں کہ ترجیح کے قابل قرآن کریم ہی کے مندرجات ہیں ۔

ابوریہ نے ذکر کیا ہے کہ کعب الاحبار ابوہریرہ کی تعریف کیا کرتے تھے کہ وہ تورات کے مضامین و مطالب سے آگاہ ہیں حالانکہ وہ تورات کو پڑھ نہیں سکتے ۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ قول درست ہے ، تاہم اس میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں ۔ اس لئے کہ بکثرت لوگ مجلس میں سن کر بہت سی باتوں کو یاد کر لیتے ہیں ۔ حالانکہ وہ براہِ راست کتابوں سے ان واقعات کو اخذ نہیں کرتے ۔ اسی طرح ابوریہ اپنے نام نہاد " علمی دلائل و براہین " پیش کرتا اور قاری کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ابوہریرہ کعب الاحبار سے

حدیثیں سنا کرتے تھے اور پھر ان کو رسول کریم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ایک مبتدی بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ یہ بات سراسر بے بنیاد ہے اور اس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

ابوریہ نے ایک دوسرے موقع پر جو عجیب و غریب دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کو مسلم بن حجاج نے بشیر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا سے ڈرو اور حدیثوں کو خوب یاد رکھو، خدا کی قسم مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ابوہریرہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ وہ ہمیں رسول کریم سے سنی ہوئی حدیثیں سنایا کرتے تھے اور وہ بھی جو انہوں نے کعب الاحبار سے سن رکھی تھیں، جب ہم ان سے یہ حدیثیں سن کر فارغ ہوتے تو ہم میں سے بعض رسول کریم کی بیان کردہ حدیثوں کو کعب کی طرف منسوب کر دیتے اور کعب کی حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ قرار دیتے۔ اس لئے خدا سے ڈرو اور حدیثوں کو خوب یاد رکھو۔

عربی زبان کا ابجد خوان جو اس عبارت کے سمجھنے پر قادر ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں ابوہریرہ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ کعب الاحبار سے حدیثیں سن کر ان کو رسول کریم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ اس اثر کا راوی بشیر بن سعد بیان کرتا ہے کہ ابوہریرہ کے اصحاب و تلامذہ ان سے حدیثیں سنا کرتے تھے اور بعد میں ان کو ملا جلا دیتے۔ جو حدیثیں رسول کریم سے منقول ہیں انکو کعب الاحبار کی طرف اور اس کے برعکس کعب الاحبار سے منقول احادیث کو رسول کریم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کعب سے منقول احادیث کو رسول کریم کی جانب منسوب کرنے والے ابوہریرہ کے تلامذہ تھے نہ کہ وہ خود۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ابوریہ جیسا "عظیم محقق" بزعم خویش جس کی تحقیقات نادرہ کی کوئی مثال موجود نہیں، اس واقعہ کو ابوہریرہ کے کاذب ہونے کی دلیل کے طور سے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ کعب الاحبار سے حدیثیں سُن کر ان کو رسول کریمؐ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس کو ابوریہ کی جہالت و حماقت پر محمول کیا جائے کہ وہ یہ عبارت سمجھنے سے قاصر رہا۔ یا یہ کہا جائے کہ اس کی وجہ ابوریہ کی بے دینی، بے شرمی، تاریخ سے ناواقفیت اور اپنے ذہین و فطین قارئین سے لاپروائی اور بے اعتنائی ہے۔

ابوریہ نے اس ضمن میں جس دجل و تلبیس سے کام لیا ہے، اس کی ایک دلیل وہ روایت ہے جو اس نے بروایت ابوہریرہ صحیح مسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے اور جس میں آسمان و زمین کی

تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے شروع میں ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اس کے آگے ابوریہ بخاری اور ابن کثیر سے نقل کرتا ہے کہ یہ حدیث ابوہریرہ نے کعب الاحبار سے اخذ کی تھی۔ ابوریہ بزعم خویش سمجھتا ہے کہ ابوھریرہ رضؓ کے کاذب ہونے پر اسے ایک زبردست دلیل مل گئی ہے، اور اب وہ ابوھریرہ کے ساتھ عقیدت رکھنے والوں کو ایک عجیب درطۂ حیرت میں ڈال سکے گا۔ اگر ابوریہ کو فن حدیث میں معمولی دسترس بھی حاصل ہوتی اور وہ عربی عبارت سمجھنے پر قادر ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ امام بخاری و ابن کثیر ابوھُریرہ کو کاذب قرار نہیں دے سکتے تھے کہ اس نے کعب کی حدیث کو دانستہ رسول کریم کی جانب منسوب کر دیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ ایسی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ امام بخاری اور ابن کثیر بے دینی کی اس سطح تک اتر آتے، جہاں ابوریہ پہنچ چکا ہے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ یہ دونوں اکابر ابوہریرہ کی مدح و ستائش میں رطب اللسان تھے اور ان کی علمی و دینی امانت و دیانت اور ورع و تقویٰ کے معترف تھے۔

دراصل امام بخاری اور ابن کثیر نے مسلم کی ذکر کردہ روایت پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث بروایت ابوہُریرہ مرفوع نہیں ہے۔ اس کو مرفوع قرار دینے کی غلطی دیگر راویوں سے سرزد ہوئی ہے ابوہریرہ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ اور ابن کثیر نے تفسیر میں اسی طرح تحریر کیا ہے۔ علامہ معلمی یمانی نے اپنی کتاب "الانوار الکاشفہ" میں اس پر ایسا میر حاصل تبصرہ کیا ہے جس سے ایک محقق کو شرح صدر نصیب ہوتا ہے اور ابوریہ جیسے مُعاندین اس سے جَل بھُن جاتے ہیں۔ (الانوار الکاشفہ ص ۱۸۸-۱۹۲)۔

ابوہُریرہ بنو امیہ کے حامی تھے:

ابوریہ نے اس بحث میں وہ تمام گالیاں یکجا کر دی ہیں جو شیعہ نے اپنی کتب میں ابوہریرہ کو دی ہیں۔ ابوریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی تحقیقاتِ نادرہ اپنے باب میں فقید المثال ہیں اور آج تک اسلاف میں سے کسی شخص نے ایسی تحقیق کا بیڑا نہیں اٹھایا۔ چونکہ ابوریہ کے قلب و ذہن پر ابوہریرہ کا بُغض و عناد چھایا ہوا ہے، اس لئے وہ بڑے شوق سے وہ گالیاں نقل کرتا چلا آیا ہے جو شیعہ نے کبار صحابہ کو دی ہیں۔ اور امیر معاویہ رضؓ کی خوشنودی کے لئے انہوں نے رسول کریم پر جو جھوٹ باندھے۔ بدیں وجہ ابوریہ کی کتاب بدبودار جھوٹ کا ایک پلندہ بن کر رہ گئی ہے۔

ہم جس عصر و عہد میں بود و باش رکھتے ہیں اس میں پُرانے مُردوں کو اکھاڑنے کے لئے کوئی وجہ جواز موجود نہیں۔ عصر حاضر میں جو شخص صحابہ کے باہمی نزاعات و مجادلات کو ہوا دیتا ہے، ہم اس کو فتنہ پرداز اور شرارتی آدمی قرار دیتے ہیں، جو مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرنا چاہتا ہے، اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ حالانکہ دورِ حاضر میں افتراق و نزاع کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

ابوریّہ نے اپنی کتاب کو شیعہ کے یہاں مقبول بنانے کے لئے شیعی افکار و عقائد کی پشت پناہی کی اور ان تمام صحابہ و تابعین کو متّہم کیا ہے، جن سے شیعہ بُغض و عناد رکھتے ہیں۔ ابوریّہ کو کُھلی چھُٹی ہے کہ اپنی کتاب کو مقبول بنانے کے لئے جو حربہ چاہے اختیار کرے۔ مگر اس کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ اس کی تحقیقات نادرہ علمی تحقیق کے اصول و قواعد پر مبنی ہیں، اور اپنے باب میں عدیم النظیر ہیں۔

صحابہ کرام کے خلاف دروغ گوئی اور دشنام طرازی کرنا ان کے باہمی نزاعات کو اجاگر کرنا۔ اور ایسی کتابوں پر بھروسہ کرنا جن کے مصنفین صداقت و امانت سے بہرہ ور نہ تھے یا ابوہریرہ کے ساتھ بغض و عداوت میں معروف تھے اگر اسی کا نام بے نظیر علمی تحقیق ہے تو یہ ابوریّہ کو مبارک ہو۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے دانشمند شیعہ بھائی ابوریّہ جیسے شخص کو حق و صداقت کا معاون اور اہل سنت کے خلاف شیعہ کی پشت پناہی کرنے والا تصور کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک جاہل کم عقل اور فریب خوردہ شخص اپنی ذات اور اپنے احباب کے لئے لاتعداد مصائب و آلام کا موجب بنتا ہے۔ ایسے شخص سے خدا کی پناہ طلب کرنا چاہیئے۔ یہ ایک ایسی شر ہے جس سے دانشمند اور نیک لوگ کنارہ کش رہتے ہیں۔ ایک قدیم قول میں کہا گیا ہے کہ "منافق نہ خدا کے نزدیک قابل احترام ہوتا ہے اور نہ عقلاء کی نظر میں"

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ابوہریرہ محبِّ اہل بیت تھے۔ آپ نے حضرت حسن رضؓ و حسین رضؓ کی عظمت و فضیلت میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ جب مسلمانوں نے حضرت حسن کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کرنا چاہا تو ابوہریرہ حاکم وقت مروان بن حکم سے اُلجھ گئے۔ آپ ان لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے محاصرہ کے دوران حضرت عثمان کی حمایت کی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ حدیث

نبوی اور علم دین کی نشر و اشاعت میں منہمک رہتے تھے۔ حضرت علی و معاویہ کے مابین جب فتنہ بپا ہوا تو دیگر کبار صحابہ کی طرح ابو ھریرہ نے اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ یہ خطرہ دامنگیر تھا کہ مسلمانوں کا خون نہ بہنے پائے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ فریقین سے لاتعلقی خدا کو زیادہ خوش کرنے والی اور دامن کو پاک رکھنے والی ہے۔ ابوہریرہ کا اصلی زاویۂ نگاہ یہ تھا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی کہا گیا ہے۔ وہ سب کذب و افتراء اور تعصب کی کرشمہ سازی ہے، جس کے موجب اس دور میں نفسانی جذبات و احساسات تھے۔ اور آج کل اس کا باعث و محرک نفاق و شقاق جہالت اور بدعقیدگی ہے

ابوہریرہؓ کے بارے میں چند کلمات

ہم نے گزشتہ فصل میں ائمہ حدیث اور معتمد مؤرخین سے نقل کر کے حضرت ابوہریرہ سے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اس میں شک نہیں کہ ابوہریرہ نے سب صحابہ سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ جب سے مشرف باسلام ہوئے اور آپ کی صحبت و رفاقت سے بہرہ ور ہوئے حدیثیں یاد کرنے اور آنحضور کے کوائف و احوال کی طلب و تلاش میں مشغول رہے۔ آپ اپنے معاصر صحابہ سے سن کر حدیثیں یاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس احادیث نبویہ کا اس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا جو کسی صحابی کے پاس نہ تھا۔ اگرچہ بعض صحابہ نے آپ کی مرویات پر اس کے اظہار حیرت کیا تھا کہ وہ ان سے آگاہ و آشنا نہ تھے تاہم آخر کار انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ ابوہریرہ سب سے بڑے حافظ حدیث اور کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ صحابہ نے نہ کبھی ابوہریرہ کی صداقت پر شک و شبہ کا اظہار کیا اور نہ ان کی روایت کردہ احادیث کو سچا۔ ہم مثال کے طور پر دو واقعات بیان کرتے ہیں جو ان کی مرویات پر اظہار حیرت کرنے والے صحابہ کے ساتھ پیش آئے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ ابوھریرہؓ نے اس ضمن میں حضرت عائشہ کو ایسا جواب دیا تھا جس سے وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

پہلا واقعہ:

ابن سعد نے طبقات میں ولید بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے حدیث بیان کی کہ جو شخص جنازہ میں حاضر ہو اس کو ایک قیراط (ایک خاص پیمانہ) ثواب ملے گا۔" عبداللہؓ

بن عمرؓ نے یہ سُن کر کہا "ابوہریرہ! ذرا دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ زیادہ حدیثیں روایت کرنے کے عادی ہیں" یہ سن کر ابوہریرہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عائشہ کے پاس لے گئے، اور کہا جس طرح آپ نے آنحضورؐ سے سنا ہے بیان کیجئے۔ حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہ کی تائید کی، ابوہریرہ نے کہا "خدا کی قسم مجھے آنحضورؐ کی حدیثیں سننے سے نہ کھیتی باڑی روکتی اور نہ بازاروں کا شوروغل عبداللہ بن عمرؓ کہنے لگے۔ ابوہریرہ! آپ آنحضور کو ہم سب سے زیادہ جاننے والے اور ان کی احادیث کے سب سے بڑے حافظ ہیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۶۳)

دوسرا واقعہ:

ابن کثیر نے البدایہ میں ابوالیسر بن ابی عامر سے روایت کیا ہے کہ میں طلحہ بن عبیداللہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے آکر کہا "ابومحمد! مجھے معلوم نہیں کہ یہ یمنی (ابوہریرہ) تم سے بڑا عالم حدیث ہے یا رسول خدا کی جانب ایسی حدیثوں کو منسوب کر دیتا ہے جو نہ اس نے سنیں اور نہ آپ نے ارشاد فرمائیں" طلحہ نے کہا "اس میں شک نہیں کہ ابوہریرہ نے آپ سے جو کچھ سنا وہ ہم نے نہیں سنا اور جو علم حاصل کیا وہ ہم نے نہیں کیا۔ ہم دولت مند اور گھر بار والے لوگ تھے۔ صبح وشام بارگاہ اقدس میں حاضری دیتے اور لوٹ جاتے۔ ابوہریرہ ایک مسکین آدمی تھا نہ اس کا گھر تھا نہ مال۔ آنحضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دئے، جہاں آپ جاتے ان کے ساتھ گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اس لئے ہمیں اس میں ذرا بھر شک نہیں ہے کہ اس نے جو علم حاصل کیا وہ ہم نہ کر سکے اور اس نے جو کچھ سنا وہ ہم نہ سن پائے" ابن کثیر کہتے ہیں کہ ترمذی نے یہ واقعہ اسی طرح روایت کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۹)۔

مذکورہ صدر دونوں واقعات جو ثقہ راویوں سے منقول ہیں ان لوگوں کو خاموش کر دیتے ہیں جو معتزلہ کے عصرو عہد سے لے کر ابوریہ کے زمانہ تک اپنی زبانوں کو ابوہریرہ پر بہتان طرازی سے آلودہ کرتے چلے آئے ہیں۔

(۲) حضرت ابوھُریرہ نے تادم وفات روایتِ حدیث کا مبارک کام جاری رکھا۔ آپ نے

باختلاف روایات ۵۸ھ یا ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں وفات پائی ۔ ابو ہریرہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہؓ بقید حیات تھے ۔ مسلمان خوابِ غفلت سے ہوشیار اور بیدار ہو چکے تھے ۔ اسلامی حکومت اوج شباب پر تھی ۔ مسلم علماء اس جلیل القدر صحابی (ابو ہریرہ) کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار تصور کرتے تھے ۔ اس کی حد یہ ہے کہ اس دور کے مسلّم سید التابعین سعید بن مسیّب کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح باندھا اور تادمِ زیست آپ کے وابستۂ دامن رہے ۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں امام بخاری سے نقل کر چکے ہیں ، حضرت ابو ہریرہ کے اصحاب و تلامذہ کی تعداد آٹھ صد تک پہنچ گئی تھی ۔ یہ صحابہ اور تابعین میں سے تھے ۔

بخلاف ازیں دیگر صحابہ کے تلامذہ ان کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچ سکے ۔ جو لوگ حق و صداقت کے طالب ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز سے غافل نہیں ہیں ، ان کے لئے اس واقعہ میں سکون و اطمینان کا سامان موجود ہے ۔ اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ ابو ہریرہ جن صحابہ و تابعین کے درمیان رہ کر زندگی کے ایام بسر کر رہے تھے ، ان میں آپ صداقت و امانت کی بلند ترین چوٹی پر فائز تھے ۔ آپ کو معاصرین میں وہ مقام بلند حاصل تھا ، جہاں شک و ریب اور جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کے ظنون و توہمات کا گزر تک نہیں ہو سکتا ۔

جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ صحابہ و تابعین کو صداقت بیانی ، نصرتِ حق ، ابطالِ باطل ، انکارِ منکر ، تحریف و بدعت کا ارتکاب کرنے والوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے اور سنت سے برگشتہ ہونے والوں پر سختی کرنے کے سلسلہ میں کس قدر بلند مقام حاصل تھا وہ پورے جزم و وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ اگر ابو ہریرہ کی صداقت میں ان کو معمولی شک و شبہ بھی ہوتا تو وہ ہرگز خاموش رہنے والے نہ تھے ۔ خصوصاً جب کہ ابو ہریرہ کے پاس نہ قوت و شوکت تھی نہ جاہ و منصب ۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ابو ہریرہ کی راست گوئی صحابہ کے نزدیک محلِ نظر تھی تو انہوں نے ابو ہریرہ کو حدیثیں روایت کرنے سے منع کیوں نہ کیا ؟ آخر اس میں کون سی چیز مانع تھی ؟ حالانکہ صحابہ کی بے باکی کا یہ عالم تھا کہ وہ خلفاء و امراء کے سامنے بھی کلمۂ حق کہنے سے گریز نہ کرتے تھے ۔

(۳) آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب مدینہ کے والی مروان بن حکم نے حضرت حسنؓ کو ان کے

نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا تھا تو ابوہریرہ اس سے الجھ گئے تھے۔ حالانکہ مروان حاکم وقت تھا اوران دنوں بنو امیہ کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کے باوصف ابوہریرہ اس بات کو ضبط نہ کر سکے کہ مروان حضرت حسن کی تدفین میں حائل ہو۔ ابوہریرہ نے واشگاف الفاظ میں مروان سے کہہ دیا تھا کہ "آپ کا اس سے کچھ تعلق نہیں"۔ جب مروان نے ابوہریرہ کی کثرتِ روایت کو بہانہ بنا کر آپ کو خاموش کرانا چاہا تو ابوہریرہ نے اس کو بہت کھرا اور سخت جواب دیا تھا۔ کیا رسولِ خدا پر جھوٹ باندھنے والا شخص ایسا جواب دے سکتا ہے؟ اور کیا دین اسلام سے برگشتہ شخص جو بقول ابوریہ بنو امیہ کا طرف دار بھی ہو، اس قدر جری اور بے باک ہو سکتا ہے؟ بخلاف ازیں ایسی جسارت وہی شخص کر سکتا ہے جو سچا دین دار ہو اور اس نے محض رضائے الٰہی کی خاطر دین اسلام کو قبول کیا اور اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مروان نے اس پر ندامت کا اظہار کیا کرتا تھا کہ اس نے ابوہریرہ کو کس لئے ناراض کیا۔

(۴) حضرت ابوہریرہ علم و فضل اور حدیث رسول کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عابد و زاہد بھی تھے۔ آپ ذکر الٰہی نماز اور تسبیحات میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ابن کثیر نے البدایہ میں ابو عثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ ایک تہائی رات تک قیام کرتے۔ ان کی بیوی ایک تہائی رات قیام کرتی اور پھر ان کا لڑکا ایک تہائی رات حالتِ قیام میں گزارتا۔ جب ایک سو جاتا تو وہ دوسرے کو بیدار کر دیتا، اسی طرح پوری رات گزر جاتی۔ ابن کثیر نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ تلاوتِ قرآن کے لئے، ایک سونے کے لئے اور ایک احادیث نبویہ یاد کرنے کے لئے۔ اسی طرح ابن کثیر نے ابوایوب سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے ایک مسجد اپنے گودام میں ایک گھر میں ایک اپنے حجرہ میں اور ایک گھر کے دروازہ پر بنا رکھی تھی۔ جب نکلتے تو ان سب مساجد میں نماز پڑھتے اور جب داخل ہوتے تو ان سب میں نماز پڑھتے۔

ابن کثیر نے حضرت عکرمہؓ سے نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ ہر رات بارہ ہزار تسبیحات پڑھا کرتے اور فرماتے تھے کہ میں اپنے گناہوں کے مطابق تسبیحات پڑھتا ہوں۔ یہ انتہائی ذکر و عبادت ہے اس سے زیادہ کا امکان ہی نہیں۔ میمون بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ ہر روز

دو چیخیں مارا کرتے تھے۔ ایک چیخ صبح کے وقت اس میں کہتے "رات چلی گئی اور دن آگیا، آل فرعون کو عذاب کے سامنے پیش کیا گیا"۔ پچھلے پہر یوں کہتے "دن رخصت ہوا، اور اب رات کی آمد آمد ہے۔ آل فرعون کو عذاب کے سامنے پیش کیا گیا۔ جو شخص بھی ان کی چیخیں سنتا عذاب خداوندی سے پناہ طلب کرتا۔ ابوہریرہ کہا کرتے تھے "بدکار آدمی کی خوشحالی پر رشک نہ کرو، اس لئے کہ جہنم اس کی تلاش میں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۰-۱۱۴)۔

متعدد راویوں نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ سجدہ میں گر کر بدکاری، چوری، کفر اور کبائر کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ کہیں ان کے مرتکب نہ ہو جائیں؟ فرمایا جب ابلیس زندہ ہے اور دلوں کا پھیرنے والا ہر وقت دل کو پھیر سکتا ہے تو مجھے خطرہ کیوں نہ ہو۔

ابو عثمان نہدی نے ابوہریرہ سے پوچھا آپ روزے کیسے رکھتے ہیں؟ فرمایا میں ہر ماہ کے آغاز میں روزے رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے اور میں روزے نہ رکھ سکوں تو مجھے مہینہ بھر کے روزوں کا اجر و ثواب مل جائے۔

حضرت ابوہریرہ کی ایک حبشی لونڈی تھی جو آپ کو بہت ستاتی۔ ایک دن چابک ہاتھ میں پکڑ کر کہا اگر روز قیامت قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں مار مار کر زمین پر بچھا دیتا۔ لیکن میں تجھے ایسے شخص کے پاس فروخت کرتا ہوں جو مجھے اس وقت پوری قیمت ادا کرے گا جب مجھے اس کی بہت ضرورت ہوگی جاؤ تم خدا کے لئے آزاد ہو۔

حضرت ابوہریرہ کو صحابہ میں تقویٰ و طہارت کے اعتبار سے جو مقام حاصل تھا، اس کے اثبات کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو ابوہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ کا جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھایا تھا۔ جب ابوہریرہ کا آخری وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ جب وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ میں دنیوی ساز و سامان کے لئے نہیں روتا۔ بلکہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ سفر لمبا ہے اور زادِ راہ کم ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ آیا جنت میں جاؤں گا یا جہنم میں؟

بتائیے جس شخص کی عبادت نماز تسبیح وعظ و نصیحت، غلام آزاد کرنے، رونے اور خدا سے ڈرنے کا یہ حال ہو وہ رسول کریم پر افترا پردازی جیسے اکبرالکبائر کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟۔ سبحانک ہذا بہتانٌ عظیمٌ۔

(۵) بایں ہمہ ابوہریرہ مال و دولت کے حریص نہ تھے۔ جو مال ہاتھ لگتا اسے راہ خدا میں بانٹ دیتے۔ مروان کے کاتب کا بیان ہے کہ اس نے ایک سو دینار کسی کے ہاتھ ابوہریرہ کو بھجوائے۔ اگلے روز ایک شخص کو ابوہریرہ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ دینار میں نے غلطی سے آپ کو دے دیئے تھے دراصل یہ کسی اور شخص کو دینے تھے۔ ابوہریرہ نے کہا میں نے وہ تقسیم کر دیئے، آپ میری تنخواہ سے اتنے دینار وصول کر لیں۔ مروان نے یہ دینار ابوہریرہ کو آزمانے کے لئے بھجوائے تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

ابوریّہ کا کہنا ہے کہ ابوہریرہ نے کئی محل تعمیر کر رکھے تھے۔ ایک محل عقیق میں اور ایک فلاں جگہ۔ ابوریّہ نے یہاں کھُل کر تحریف کا ارتکاب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خدا کا خوف بالکل نہیں ہے۔ دراصل ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں کہ "ابوہریرہ کی وفات اپنے مکان میں ہوئی جو مقام عقیق میں واقع تھا" یہاں "دار" کا لفظ ہے۔ دَار کے لفظ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ ابوہریرہ دولت مند شخص تھے اور وہ مکان ایک عالی شان محل کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اکثر بلکہ تمام صحابہ اپنا سکونتی مکان رکھتے تھے۔ ان کے خلاف کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ وہ عالی شان محلّات کے مالک تھے۔ ہم الفاظ کی تحریف سے خدا کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(۶) ہنوز صحابہ اور کبار تابعین کا عصر و عہد گزرنے نہ پایا تھا کہ محدّثین نے ابوہریرہ کی مرویات کو خصوصی توجہ کا مرکز و محور قرار دیا اور ان پر نقد و جرح کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے احادیث صحیحہ و سقیمہ کو باہم ممیّز و ممتاز کر دیا۔ جس حدیث میں کوئی ضعف یا سقم دیکھا اس کو بیان کیا۔ ابوہریرہ کی روایت کردہ احادیث صحیحہ کو کتب حدیث میں محفوظ کر لیا گیا۔ نظّام اور دیگر معتزلہ کے آنے سے پہلے اس سے کسی نے اختلاف نہ کیا۔ اسی طرح الاسکافی اور دیگر شیعہ علماء نے بھی ان کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔

(۷) ابوہریرہ سے جو احادیث صحیحہ منقول نہیں، آگے چل کر مختلف اسلامی بلاد و دیار میں فقہاء

اور مجتہدین نے اس سے خاص اعتناء کیا۔ جب صحیح حدیث مل جاتی تو کسی کو اس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔ البتہ ابراہیم نخعی اور بعض علمائے کوفہ نے جو اصحاب الرائے کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اخبارِ آحاد کو قبول کرنے کے لئے چند شرائط مقرر کئے تھے۔ دیگر تمام فقہاء اس ضمن میں ان کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ جو عراقی مکتبِ فکر کے سرخیل تھے وہ بھی نخعی سے متفق نہ تھے بخلاف ازیں ان کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ جو حدیث شرائطِ صحت کی حامل ہو اس پر بہرحال عمل کرنا چاہیئے ان شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کے سوا دیگر رُواۃ و رجال کے بارے میں حزم و احتیاط سے کام لیا جائے۔ جو شخص اس کے سوا کسی اور بات کا دعویٰ کرے وہ مفتری و کذّاب ہے اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ہی اس کی تردید و تکذیب کے لئے کافی ہے۔

(۸) نظّام اور دیگر معتزلہ نے سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ کو نقد و طعن کی آماجگاہ بنایا صرف ابوہریرہؓ ہی نہیں بلکہ اکثر صحابہ کے بارے میں معتزلہ کا ایک جداگانہ موقف تھا۔ اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی وہ ایک خاص نظریہ رکھتے تھے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو احادیث جمہور کے نزدیک صحیح اور ثابت ہیں، معتزلہ ان کو ردّ کر دیتے تھے۔ یونانی فلسفہ ان کے قلب و ذہن پر بہت بُری طرح چھایا ہوا تھا۔ وہ اسی پیمانہ سے دین کے احکام و مسائل کو جانچتے پرکھتے تھے۔ اگر جمہور اہل اسلام کا ڈر نہ ہوتا تو وہ قرآن کو بھی تنقید شدید کے تیروں سے گھائل کر دیتے۔ اس لئے کہ حدیث کی طرح قرآن میں بھی ایسی باتیں موجود ہیں جو ان کی یونانی عقلوں کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں۔ معتزلہ نے قرآنی مضامین کو توڑ مروڑ کر اپنے نظریات کے سانچہ میں ڈھال لیا تھا۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ یونانی فلسفہ حق و صداقت کا حامل ہے، اور اس میں باطل کی کوئی آمیزش نہیں۔ دَورِ حاضر میں ہائی سکول کا ایک ادنیٰ طالب علم فلسفہ یونانی کی اس مدح و ستائش پر معتزلہ کا مذاق اڑائے گا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ابوریہ معتزلہ کو "اصحاب عقول راجحہ" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گویا معتزلہ اسی طرح اعلیٰ درجہ کے اصحاب دانش و بینش ہیں جیسا کہ خود ابوریہ۔

جہاں تک شیعہ کا تعلق ہے انہوں نے یہ نقطۂ نگاہ صرف ابوہریرہ ہی کے متعلق اختیار نہیں کیا بلکہ معدودے چند صحابہ کو چھوڑ کر وہ سب کو بغض و عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کے اکثر فرقے جمہور صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، جن میں ابوبکر و عمر و سعد و خالد اور دیگر

وہ صحابہ کبار شامل ہیں جن کے ذریعہ خداوند کریم نے انسانیت کو اسلامی ہدایت جیسی نعمتِ عظمیٰ سے مالا مال کیا۔

شیعہ نے صحابہ کے بُغض و عناد کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ ان کے اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ جو شخص بھی رسول کریم کے بعد حضرت علی کو امیرالمومنین تسلیم نہیں کرتا اس سے دشمنی رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ نے بالاتفاق حضرت ابوبکر رضؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تو شیعہ ان سب سے ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے رسول کریمؐ کی وصیت کے خلاف سازش کی ہے۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ رسول کریمؐ نے حضرت علی کو اپنے بعد خلافت کی وصیت کی تھی۔ یہ موضوع سرِدست زیر بحث نہیں، اس لئے ہم اس کو مزید طوالت نہیں دینا چاہتے۔

ہم ابوریّہ سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ابوہریرہ کے بارے میں وہ شیعہ کا ہمنوا بنے تو شیعہ تنہا ابوہریرہ ہی کو یہ سزا نہیں دیتے بلکہ وہ ابوبکر و عمر کو اس سے بڑی سزا کا مستحق گردانتے ہیں اور ان کے بارے میں ایسی کہانیاں سناتے ہیں جو ابوہریرہؓ کے واقعات سے کہیں زیادہ بدتر ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ابوریّہ ان کو قابل اعتماد اور مستند علمی ذریعہ تصور کرتا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کے بارے میں کتبِ شیعہ میں جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے وہ سب کچھ ابوریّہ کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ آئے دنوں ہم جن احوال و ظروف سے دوچار ہیں ان کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے موضوع کو چھیڑا نہ جاتا۔ مگر ابوریّہ کے گمراہ کن خیالات کی تردید و ابطال کے لئے مجبوراً یہ مبحث ہمیں چھیڑنا پڑا۔ یہ امر مزید حیرت و استعجاب کا موجب ہے کہ ابوریّہ اس کو "نادر تحقیقاتِ علمیہ" قرار دیتا ہے۔

یہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے متعلق ایک مختصر بیان ہے جو ان کی زندگی کے حقائق اور اُن کے بلند پایہ علمی منصب و مقام پر مشتمل ہے جو صحابہ و تابعین محدثین اور علمائے اسلام کے یہاں اُن کو حاصل تھا۔ ہم اس کو محقق شہیر علامہ شیخ احمد شاکر مرحوم کے بیان پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ مرحوم نے مسند احمد جلد ۱۲ صفحہ ۸۴ پر جہاں ابوہریرہ رضؓ کی مرویات نقل کی ہے، وہاں تحریر کیا ہے۔

ابو ہریرہؓ سے متعلق علامہ احمد شاکر کا بیان:

"عصر حاضر کے منکرین حدیث جو دراصل منکرین اسلام ہیں، حضرت ابو ہریرہ کو ہدفِ طعن بنانے کے بے حد مشتاق نظر آتے ہیں۔ ان کا مقصدِ وحید ابو ہریرہ کی صداقت بیانی اور ان کی مرویات کو مشکوک و مشتبہ بنانا ہے۔ ان کی دلی آرزو یہ ہے کہ مستشرقین کی طرح لوگوں کی نگاہ میں اسلام کو مشکوک بنا کر رکھ دیا جائے۔ بظاہر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور یا ان احادیث سے جو ہماری رائے میں صحیح ہیں۔ وہ صرف انہی احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں جو ان کی خواہشات اور ان کے یورپین آداب و اطوار سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہوں۔ وہ اس انداز سے قرآن کی تاویل کرتے ہیں، جس سے لفظ اپنے اصلی معنی سے ہٹ جاتا ہے۔ اس کھینچا تانی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو اپنی ذاتی اغراض کے تابع بنا لیا جائے۔

منکرینِ حدیث نے اسلام کی مخالفت میں پہل نہیں کی تھی بلکہ خواہشات کے پجاری شروع ہی سے چلے آئے ہیں۔ ایسے لوگ چیختے چلاتے رہے مگر اسلام ان کی پرواہ کئے بغیر سیدھی راہ پر گامزن رہا۔ دین اسلام یا تو ان کا نوٹس لئے بغیر ان سے آگے بڑھ جاتا یا ان کو تباہ و برباد کر دیتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عصر حاضر کے منکرین حدیث وہی بات کہتے ہیں جو ان کے پیش رو کہہ گئے ہیں مگر دونوں میں ایک نمایاں فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کے پیش رو صراط مستقیم سے منحرف ہوں یا ملحدین میں سے وہ باخبر اور عالم تھے۔ مگر علم کے ہوتے ہوئے وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ بخلاف ازیں دورِ حاضر کے منکرین جاہل مقلدین ہیں اور انہی کے الفاظ کو چبا رہے ہیں۔ تاہم جو شخص ان کو راہِ راست پر لانا چاہتا ہے اس کے مقابلہ میں کبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مشہور محدث امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے اپنی کتاب المستدرک ج ۳ ص ۵۱۳ میں اپنے شیخ الشیوخ ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ موصوف نے ابو ہریرہ پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ من و عن دور حاضر کے منکرین حدیث پر صادق آتا ہے

محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں

(الف) "ابو ہریرہ کی مرویات کو رد کرنے کی سعیِ لاحاصل وہی لوگ کریں گے جن کے دلوں کو خدا نے اندھا کر دیا ہو، اور وہ احادیث کے معانی و مطالب کے فہم و ادراک سے قاصر ہوں۔

(ب) جہمیہ و معطلہ کے فرقہ سے تعلق رکھنے والا جب اپنے کافرانہ عقائد کے خلاف ابوہریرہ کی مرویات سنے گا تو وہ بے باکانہ ان کو گالیاں دینے لگے گا اور ایسے اتہامات باندھے گا، جن سے ان کا دامن پاک ہے۔ وہ برملا کہے گا کہ ابوہریرہ کی روایات قابل احتجاج نہیں ہیں۔

(ج) ایک خارجی شخص جو امتِ محمدیہ کو واجب القتل تصور کرتا ہو اور کسی امام و خلیفہ کی اطاعت کو ضروری نہ سمجھتا ہو، جب اپنے عقیدہ کے خلاف ابوہریرہ کی روایت کردہ احادیث سنے گا تو اس کا آخری چارۂ کار یہ ہوگا کہ ابوہریرہ پر تنقید کرنے لگے گا۔

(د) تقدیر خداوندی کا منکر اور قدریہ فرقے کا ایک فرد جو اہل اسلام سے الگ ہو چکا ہو اور تقدیر کے قائل مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہو، جب ابوہریرہ کی روایت کردہ احادیث مطالعہ کرے گا جو انہوں نے تقدیر کے اثبات میں بیان کی ہیں تو اپنے کفریہ عقائد کی تائید میں اس کے سوا کوئی دلیل و برہان نہ پائے گا کہ ابوہریرہ کی مرویات ناقابل احتجاج ہیں

(س) ایک جاہل شخص جو کسی خاص فقہی مکتب خیال سے وابستہ ہو اور غلط جگہوں سے اسے تلاش کرتا ہو، جب اپنے مخصوص فقہی مسلک کے خلاف ابوہریرہ کی مرویات دیکھے گا تو ابوہریرہ پر تنقید کرنے لگے گا اور ان احادیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا جو اس کے ملک کے خلاف ہیں۔ بخلاف ازیں جب ابوہریرہ کی روایت کردہ احادیث اس کے مسلک کے موافق ہوں گی تو وہ ان سے اپنے مخالفین کے خلاف احتجاج کرے گا۔

(ص) اسی قسم کے فرقہ جات سے وابستہ بعض لوگوں نے ابوہریرہ کی متعدد مرویات کو ماننے سے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ وہ ان کا معنی و مطلب سمجھنے سے قاصر رہے، میں اس قسم کی بعض احادیث ذکر کروں گا۔ پھر ابن خزیمہ نے ابوہریرہ کی روایت کردہ چند ایسی احادیث کو ذکر کیا ہے جن کو مشکل قرار دیا گیا تھا اور وارد کردہ اعتراضات کا جواب دیا ہے"

یہ ہے سچی بات ابوہریرہ اور ان کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں! ائمہ ہدایت علماء و فضلاء اور کبار فقہاء نے یہی شیوہ اختیار کیا ہے۔ دلیل و برہان اور تاریخ صحیح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ علمائے حق کا شیوہ یہی ہے کہ وہ نقد و بحث کے دوران عالمانہ پرسکون اور سنجیدہ طرز و انداز اختیار کرتے ہیں۔

کچھ ابوریّہ اور اس کی کتاب کے بارے میں

جب میں نے کتاب ہذا کا مقدمہ تحریر کیا اور ابوریّہ کے بارے میں مندرجہ صدر حقائق بیان کئے، اس وقت میں نے ابوریّہ کی کتاب پر سرسری نگاہ ڈالی تھی۔ ان حالات میں جو کچھ میں تحریر کر سکتا تھا وہ کیا۔ ابوریّہ نے حضرت ابوہریرہ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، جب میں نے اس پر غور کیا اور اس کے ذکر کردہ براہین و دلائل کو جانچا پرکھا تو میں نے پورے جزم و وثوق کے ساتھ مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے۔

اوّل۔ ابوریّہ نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ قابل اعتماد نہیں۔ بسا اوقات وہ جو عبارت نقل کرتا ہے، اس میں ایک لفظ کا اضافہ کر دیتا ہے، جس سے مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس طرح عبارت سے ابوریّہ کا منشا پورا ہو جاتا ہے مگر جس مقصد کے لئے وہ عبارت تحریر کی گئی تھی وہ پورا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ابوریّہ ایک لفظ کم کر دیتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فریب دہی اور ملمع سازی کے لئے ایک قول کو اس کے قائل کے علاوہ کسی اور شخص کی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں ہماری نگاہ سے گزر چکی ہیں۔ اب ہم قارئین کرام کے سامنے اس قسم کی بعض مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ابوریّہ کی امانت و دیانت اور اس کی "علمی تحقیقات" کھل کر سامنے آجائیں۔ اب نمبروار یہ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابوریّہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ حاشیہ نمبر ۳ پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں لکھتا ہے۔

"عبداللہ بن عمرو کے پاس اہل کتاب کی مذہبی کتابوں کے دو تھیلے تھے وہ ان میں سے لوگوں کو روایتیں سناتے اور ان کو آنحضور ﷺ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔"

ابوریّہ نے یہاں حافظ ابن حجر کی فتح الباری جلد ۱ ص ۱۶۶ کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ فتح الباری میں جو عبارت مذکور ہے اس میں "آنحضور کی طرف منسوب کرنے" کے الفاظ موجود ہی نہیں۔ ابوریّہ نے یہ الفاظ از خود بڑھا دئے، اور ان کو فتح الباری کی طرف منسوب کر دیا تاکہ قاری صحابہ کی مرویات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ دراصل بات یہ تھی کہ اہل کتاب

میں سے جو لوگ مشرف باسلام ہوگئے تھے، صحابہ ان کے پاس بیٹھتے، اوران سے گزشتہ اقوام کے حالات سنتے تھے۔ بعض صحابہ ان سے سنے ہوئے واقعات کو اس حیثیت سے بیان کر دیا کرتے تھے کہ وہ اقوام سابقہ کے احوال و کوائف پر مشتمل ہیں۔ مگر ابوریہ صحابہ پر بہتان باندھتا ہے کہ وہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ پھر اسی بہتان پر بس نہیں کی بلکہ ان کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ ابن حجر نے یہ بات نہیں کہی بلکہ کوئی مسلم جو اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ تاریخ انسانیت میں صحابہ کا گروہ صداقت بیانی دینی استقامت اور امتثال اوامر و نواہی میں اپنی مثال آپ تھا۔ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ صحابہ جانتے تھے کہ جھوٹ بولنے والے خدا کے نزدیک ملعون و مبغوض ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ابوریہ جیسے اعداء دین دوسروں کو بلاوجہ متہم کرنے ہی سے سکون اطمینان محسوس کرتے ہیں۔

(۲) ابوریہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ پر البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۶ سے نقل کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کعب الاحبار سے کہا "حدیث رسول" کو روایت کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں جلا وطن کر دوں گا۔

حالانکہ البدایہ میں "اَلْحَدِیْثَ عَنِ الْاُوَلِ" (اقوام گزشتہ کے واقعات) کے الفاظ ہیں، "عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ مگر ابوریہ کی علمی امانت و دیانت نے اس کو اس تحریف کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کر سکے کہ کعب الاحبار رسول کریمؐ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور صحابہ ان سے حدیثیں اخذ کیا کرتے تھے دراصل ایسے جھوٹ گولڈزیہر جیسے یہودی مستشرقین نے وضع کئے تھے تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ یہودیت کس حد تک دین اسلام پر اثر انداز ہوئی ہے۔ یہود سے یہ سبق ابوریہ جیسے "عظیم محقق" نے سیکھا اور از رہ مکر و فریب اس کے دلائل بھی ڈھونڈھ نکالے۔

(۳) ابوریہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۳ پر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۶ سے نقل کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو ڈانٹا تھا کہ حدیثیں روایت کرنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہیں تمہارے قبیلہ کی سرزمین کی طرف جلاوطن کر دوں گا۔

یہ اضافہ ابوریہ کی افترا پردازی کی نمایاں دلیل ہے۔ حالانکہ بات صرف یہ تھی کہ حضرت عمرؓ

نے کعب الاحبار کو گزشتہ اقوام کے واقعات بیان کرنے سے روکا تھا۔ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر ابوریہ نے یہاں ابوہریرہ کا نام بلاوجہ شامل کر دیا۔

(۴) ابوریہ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ حضرات عمرو عثمان و علی و عائشہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم ابوہریرہ کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر اس کے اثبات میں ابن قُتیبہ کی "تاویل مختلف الحدیث" کا حوالہ دیا ہے۔ ابوریہ اپنی کتاب کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ زور کلام اور قوت استدلال کے اعتبار سے اہل سنت میں ابن قُتَیبہ کو وہی مرتبہ و مقام حاصل ہے جو جاحظ کو معتزلہ کے نزدیک۔ اس سے ابوریہ کا مقصد قاری کو یہ تاثر دینا ہے کہ جب ابن قُتَیبہ جیسا بلند پایہ شخص ابوہریرہ پر نقد و جرح کر رہا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابوہُریرہ رسول کریم کی احادیث روایت کرنے میں جھوٹا ہے۔

حالانکہ ابن قُتَیبہ نے مذکورہ صدر کتاب ان لوگوں کی تردید میں لکھی ہے، جنہوں نے عصر صحابہ سے لے کر مصنف کے عصر و عہد تک محدثین کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ محدثین پر نقد و جرح کرنے والے نظّام اور اس کے ہمنوا معتزلہ تھے۔ ابن قُتیبہ نے ان گالیوں کی تفصیل بیان کی ہے جو نظّام معتزلی نے ابوبکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و ابوہُریرہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی ہیں، پھر صحابہ کا دفاع کیا اور نظّام کے قول کا بُطلان ثابت کیا ہے عجیب ستم ظریفی یہ ہے کہ نظّام نے ابوہریرہ کے بارے میں جو کچھ کہا ابوریہ نے اس کو ذکر کیا اور اس کو ابن قُتَیبہ کی طرف منسوب کر دیا اور یہ بات تحریر نہ کی کہ ابن قتیبہ نے نظّام کی تردید کی، اور اس کے قول کا ابطال کیا ہے۔ ٹھیک ہے ابوریہ جیسے محققین کے نزدیک علمی امانت و دیانت اسی کو کہتے ہیں۔

(۵) ابوریہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۵ پر سیّد رشید رضا مرحوم کا کلام کعب اور وھب بن مُنَبّہ کے بارے میں نقل کیا اور لکھا ہے کہ "تمام روایات یا صرف موقوف روایات ان دونوں سے منقول ہیں" یہاں ابوریہ نے "تلک" کا لفظ حذف کر دیا ہے، جس سے سیّد رشید رضاء مرحوم نے کعب و وہب کی ان مرویات کی جانب اشارہ کیا تھا جو وہ اہل کتاب سے نقل کرتے تھے۔ ابوریہ نے یہ لفظ اس لئے حذف کیا تاکہ اس سے یہ مفہوم پیدا ہو کہ صحابہ کی تمام مرویات ان دونوں

سے ماخوذ ہیں۔ اب ذرا ابوریہ کی اس توڑ مروڑ اور کھینچا تانی کا اندازہ لگائیے جو صرف اس لئے کی گئی ہے کہ عبارت کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

یہ ایسی مثالیں ہیں جن میں اختلاف و نزاع کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ابوریہ عبارت میں کس قدر تصرف کرتا ہے اور ان کو قائلین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ میری نگاہ میں انتہائی متعصب مستشرق بھی عبارتوں میں اس قسم کی تحریف کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ ابوریہ جیسے محقق ہی کا دل گردہ ہے۔ اب ایسے محقق علامہ اور صاحب امانت و دیانت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟

دوم :- ابوریہ نے جمہور علماء کے خلاف جو نظریہ اختیار کیا ہے، اس کی تائید و تثبیت میں وہ علماء کے ایسے اقوال نقل کرتا ہے، جو موضوع زیر بحث سے متعلق نہیں، بلکہ دوسرے مواقع پر کہے گئے ہیں۔ ابوریہ کا مقصد قاری کو یہ تاثر دینا ہے کہ وہ اپنے زاویۂ نگاہ کو علمائے متقدمین کے اقوال سے ثابت کر رہا ہے۔

ہم اس کی مثال میں ابوریہ کا یہ دعویٰ ذکر کرتے ہیں کہ ابوہریرہ مُدَلِّس ہے۔ حالانکہ ابوہریرہ جب کوئی حدیث کسی صحابی سے سنتے ہیں اور اس کو نبی کریم کی جانب منسوب کر دیتے ہیں تو سب علماء اس کو اِرسال کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جملہ محدثین کے نزدیک ارسال جائز اور درست ہے اور ابوہریرہ کے علاوہ متعدد صحابہ مُرسل روایات بیان کیا کرتے تھے۔ مگر ابوریہ سب علماء کے برعکس اس کو تدلیس قرار دیتا ہے، اور مُدَلِّسین کی جرح و نقد اور اس کو ناقابلِ اعتماد قرار دینے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال ذکر کرتا ہے۔ تاکہ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ علماء کے وضع کردہ قواعد کے مطابق ابوہُریرہ کی روایت کردہ احادیث ناقابل احتجاج ہیں۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابوریہ حضرت ابوہُریرہ پر دروغ گوئی کا الزام عائد کرتا ہے پھر علماء کے اقوال ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی رسول کریمؐ پر جھوٹ باندھے اس کی مرویات ناقابل احتجاج ہیں۔ بلکہ بعض علماء اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ ابوریہ کا مقصد ابوہریرہ کو اس کا مصداق ٹھہرانا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابوریہ ایک غلط مقدمہ کو صغریٰ بناتا اور اس کے ساتھ ایک مسلمہ مقدمہ کو کُبریٰ کے طور پر لاتا ہے اور پھر اس سے حسب خواہش

نتیجہ نکال لیتا ہے ۔ گویا وہ حریف مقابل پر ایسا الزام عائد کرتا ہے، جس سے اس کو مجال انکار نہ ہو۔

ابوریہ آغاز بحث میں لکھتا ہے کہ اخبارِ آحاد سے ظنّی علم حاصل ہوتا ہے۔ اور ظنّ سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے نتیجہ نکالتا ہے کہ اخبار آحاد سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا صُغریٰ کو ثابت کرنے کے لئے ابوریہ نے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں لہٰذا صغریٰ درست ہے مگر کبریٰ ناقابلِ تسلیم ہے ۔ اس لئے نتیجہ بھی صحیح نہیں ۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ منطقی قیاس اسی صورت میں درست ہوتا ہے جب دونوں مقدمات مسلّمہ ہوں۔

تمام مباحث میں ابوریہ نے یہی اسلوب و انداز اختیار کیا ہے ۔ وہ مستند اور قابل اعتماد علمی کتب کے حوالے بکثرت دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے رجحانات و میلانات سے یک رنگ و ہم آہنگ نہیں ہوتے بلکہ اس کے برخلاف ہوتے ہیں ۔ اس لئے اس کا مقصد ان سادہ دل قارئین کو دھوکہ دینا ہے جو ان علمی مباحث سے بے بہرہ ہیں ۔

سوم ۔ ابوریہ دانستہ عبارتوں کا مطلب و مفہوم غلط سمجھتا ہے ۔ وہ ان کے فہم و ادراک میں سینہ زوری سے کام لیتا ہے اور ان سے حسب خواہش مفہوم مراد لیتا ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضہ کے قول " ملأ بطنی " کو اس نے غلط معنی پہنائے ہیں ہم قبل ازیں اس پر بحث کر چکے ہیں۔ اسی طرح ابوریہ نے بشیر بن سعد کے قول کو جو ابوہریرہ کے اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ہے غلط معنی پر محمول کیا ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ جو روایات کعب سے نقل کرتے ہیں وہ ان کو رسول کریم کی احادیث قرار دیتا ہے۔ اسی طرح ابوہریرہ کی رسول کریم سے اخذ کردہ احادیث کو کعب کی مرویات قرار دیتا ہے ۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں ۔ متعصب مستشرقین کا طرز و انداز یہی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ باانصاف علمائے محققین جو ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں اُن کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کرتے ۔

چہارم ۔ ابوریہ کے قلب و ذہن پر جو نظریہ مسلّط ہو چکا ہے، اس کی تاکید و تائید کے پیش نظر وہ ایسے دلائل کو ٹھکرا دیتا ہے، علماء نے جن کی صحت پر اجماع منعقد کیا ہے ۔ بخلاف ازیں وہ ان جھوٹی روایات کو سند کا درجہ دیتا ہے علماء نے بالاتفاق جن کو باطل قرار دیا ہے ۔ ابوریہ کے

نزدیک وہ من گھڑت قصے قابل اعتماد ہیں جو ادبی مجالس میں بیان کئے جاتے ہیں اور جو ایسے مصادر سے ماخوذ ہیں، علماء کے نزدیک جن کو کوئی وقعت حاصل نہیں اور جن کی نہ سند مذکور ہے اور نہ ان کے قائل کا کچھ پتہ ہے۔

بنابریں ابوریہ پوری بے باکی اور شانِ بے نیازی سے ان روایات کو ٹھکرا دیتا ہے جو احادیث صحیحہ پر مشتمل کتب مثلاً بخاری و مسلم و سنن اربعہ و دیگر کتب میں ابوہریرہ کی چادر پھیلانے کے سلسلہ میں مذکور ہیں۔ اس روایت کی تکذیب میں وہ مذاق اور استہزاء کی پست سطح تک اتر آتا ہے۔ اس کے عین برعکس الدمیری کی کتاب الحیوان شرح ابن ابی الحدید عیون الاخبار اور مقامات بدیع الزمان ہمدانی کے مندرجات اس کی رائے میں نہایت معتمد ہیں۔

متعصب مستشرقین کا یہی شیوہ رہا ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں اس کی طرف ارشارہ کر چکے ہیں۔ابوریہ بھی اسی ڈگر پر گامزن ہے اور اس کا رویہ کسی طرح بھی مستشرقین سے مختلف نہیں ہے

پنجم۔ ابوریہ نے ابوہریرہ کو بُرا بھلا کہنے ان کی تکذیب کرنے اور حدیث و راویان حدیث کو مشکوک قرار دینے کے سلسلہ میں گولڈزیہر اسپرنگر اور وان کریمر جیسے متعصب مستشرقین اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا پر اعتماد کیا ہے۔ ابوریہ اس پر سر دھنتا اور اظہار فخر و مباہات کرتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے اخذ و استفادہ کرتا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہؓ کو گالیاں دینے کے سلسلہ میں ان سے سبق لیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوریہ مستشرقین کے مقابلہ میں زیادہ دریدہ دہن گستاخ زبان دراز اور شوخ چشم واقع ہوا ہے۔ جرمنی کے ڈاکٹر اسپرنگر کو دیکھئے وہ ابوہریرہ کے بارے میں کہتا ہے۔

"ابوہریرہ ورع و تقویٰ کے پیش نظر وضع حدیث سے کنارہ کش رہتے تھے۔"

ڈاکٹر اسپرنگر نے اگرچہ ابوہریرہ کی جانب کذب کو منسوب کیا ہے مگر ابوریہ نے حضرت ابوہریرہ کو جس طرح سب و شتم اور بدترین ہجو کا نشانہ بنایا ہے، اس کے پیش نظر اسپرنگر کے الفاظ تسبیح معلوم ہوتے ہیں۔ اسپرنگر نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ بکثرت احادیث جن کو راوی ابوہریرہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، پچھلے تاریخی ادوار میں وضع کی گئی تھیں۔ گویا اسپرنگر حضرت ابوہریرہؓ کو ان احادیث کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ بخلاف ازیں ابوریہ کو ان تمام جھوٹی احادیث کا ذمہ دار قرار دیتا

ہے اوران سے ایسے نتائج اخذ کرتا ہے جو حق و صدق سے نہایت بعید ہیں۔

ہم قبل ازیں ابوریّہ کا یہ دعویٰ ذکر کر چکے ہیں کہ ابوھریرہ آنحضورؐ پر جھوٹ باندھنے کو جائز قرار دیتے تھے۔ بشرطیکہ اس سے کسی حلال چیز کی تحریم اور حرام چیز کی تحلیل نہ ہوتی ہو، پھر ابوریّہ چند احادیث سے استشہاد کرتا ہے جو ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ حالانکہ ائمہ حدیث نے صراحتہً کہا ہے کہ ان احادیث کو وضع کر کے حضرت ابوہریرہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی طرح مستشرقین کا تلمیذ رشید ابوریّہ اپنے اساتذہ سے گوئے سبقت لے جاتا ہے۔ مگر ابوریّہ یہ برتری ذکاوت و فطانت میں حاصل نہیں کرتا اور نہ ہی بحث و ادب کے سلیقہ و اسلوب کے اعتبار سے بخلاف ازیں وہ ایک اور ہی چیز میں ان پر فوقیت حاصل کرتا ہے۔

ششم ۔ ابوریّہ کا دامن ادب و شائستگی سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحریر و تقریر کے دوران ایسے سُوقیانہ اور گھٹیا الفاظ استعمال کرتا ہے جو کتابوں میں لکھے نہیں جاتے، بلکہ کمینے لوگوں کی مجالس اور بازار میں بولے جاتے ہیں۔

ابوریّہ آغازِ بحث میں لکھتا ہے کہ کذب کے معنی یہ ہیں کہ خبر واقعہ کے مطابق نہ ہو، خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ۔ پھر کہتا ہے "لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین متعمدین أو غیر متعمدین" (جھوٹوں پر خدا کی لعنت خواہ وہ دانستہ جھوٹ بولیں یا نادانستہ) حالانکہ ابوریّہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ کبارِ صحابہ محدثین فقہاء اور علماء سے روایت کرنے اور فتویٰ دینے میں خطاء اور وہم کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ سب لوگ ابوریّہ کے نزدیک خدا کی لعنت کے مورد ہیں، یہ عدلِ خداوندی کی کرشمہ سازی ہے کہ ہم نے متعدد مقامات پر ابوریّہ کے کذبِ عمد کی نشان دہی کی ہے۔ (اور اس طرح وہ خود ہی خداوندی لعنت کا مستوجب قرار پایا)۔

ذرا ابوریّہ کے وہ ناشائستہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے جو اس نے حضرت معاویہؓ، ابوہریرہؓ اور ان لوگوں کے بارے میں کہے ہیں جو اس کی نادر علمی تحقیقات سے متفق نہیں ہیں۔ ابوریّہ نے ان کو فحش گالیاں دی ہیں اور ان کے حق میں بدترین الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں یہ پڑھ کر محوِ حیرت و استعجاب تھا کہ ایک باعزت شخص کی زبان و قلم سے ایسے نازیبا کلمات کیونکر صادر ہو سکتے ہیں۔ میری حیرانی تب دُور ہوئی جب ابوریّہ کو ذاتی طور پر جاننے والے ایک شخص نے مجھے

بتایا کہ وہ کس افتادِ طبع کا انسان ہے ۔یہ مثل کس قدر صحیح ہے کہ کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ" (برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے)۔

ہفتم = ابوریّہ نے اپنی کتاب کے ہر صفحہ پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ ایک نادرۂ روزگار (عبقری) شخصیت ہے۔ جس نے ایسے حقائق کی نشان دہی کی ہے جو آج تک کسی کو معلوم نہ ہو سکے ۔ابوہریرہ کے بارے میں جن معلومات کا سراغ اس نے لگایا ہے ، وہ ان آٹھ صد صحابہ و تابعین سے پوشیدہ رہے ،جنہوں نے ابوہریرہ سے اخذ و استفادہ کیا تھا۔ ابوریّہ کے نزدیک حضرات صحابہ بشمول فاروقِ اعظمؓ بڑے غفلت پیشہ اور سادہ لوح واقع ہوئے تھے ۔ان کی سادگی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ محض اس لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ اس کی تعلیمات میں باطل کی آمیزش کر دیں وہ ان کے سامنے رسول کریمؐ پر جھوٹ باندھتے اور اس کو لوگوں تک پہنچاتے رہے ۔مگر ان میں ابوریّہ کی سی ذہانت نہ تھی جس سے وہ بھانپ جاتے کہ یہ لوگ فریب خوردہ اور فریب دہندہ ہیں۔ بخلاف ازیں صحابہ نومسلم اہل کتاب کے دام فریب میں آ گئے ،ان سے حدیثیں روایت کرتے رہے اور اُن کو دین میں باطل کی آمیزش کرنے کی کھلی چھٹی دے دی ۔چنانچہ یہ لوگ آزادانہ طور پر مسلمانوں کے عقائد بگاڑتے رہتے ،ہر طرف دندناتے رہے اور صحابہ و تابعین ان کو عزت و عظمت اور تقدس و طہارت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

عصر صحابہ و تابعین کے بعد جو تاریخی ادوار آئے اور جن میں ہزاروں علماء فقہا، مجتہدین اور محدثین پیدا ہوئے ، ابوریّہ ان سب کو غفلت اور سادہ لوحی کے ساتھ متہم کرتا اور کہتا ہے کہ جس بات کا احساس مجھے ہوا ان میں سے کسی کو بھی نہ ہوا۔ جو حقائق میں نے اس کتاب میں ودیعت کئے ہیں وہ ان سے غافل رہے ، اور ایسی کتاب تصنیف نہ کر سکے ۔حالانکہ ایسی کتاب آج سے ایک ہزار سال پہلے لکھی جانی چاہیئے تھی ۔ افسوس کہ متقدمین یہ اہم کام انجام نہ دے سکے اور اس کا بیڑا میں نے اٹھایا ،جس کے بعد علوم اسلامیہ کا طرز و انداز ہی بدل گیا ہے ۔

ابوریّہ نے زبان سے یہ بات کہی اور اپنے قلم سے تحریر کی ۔ اس کی کتاب کا کوئی صفحہ اس سے خالی نہیں ہے ۔ ابوریّہ کا یہ سب کبر و غرور اور اظہار فرحت و مسرت ایک بات کی بولتی

تصویر ہے۔ اور وہ یہ کہ اس سے اس کی دانائی و فرزانگی کا پتہ چلتا ہے۔ خداوند کریم نے جس طرح انسانوں کو رزق تقسیم کیا ہے، اسی طرح عقل و ادراک بھی بانٹا ہے۔

ہشتم۔ ابوریہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب میں اس نے ایسے براہینِ قاطعہ و دلائل ساطعہ ذکر کئے ہیں، جن میں شک و ریب اور ضعف کی کچھ گنجائش ہی نہیں، ابوریہ کے اس دعویٰ کی تحقیق ان مصادر و مآخذ سے کی جاسکتی ہے، جس سے اس نے جمہور اہلِ اسلام کے خلاف یہ مواد نقل کیا ہے۔ ابوریہ نے جن مصادر سے استفادہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حیاۃ الحیوان دمیری
۲۔ العمدہ ابن رشیق
۳۔ المعارف ابن قتیبہ
۴۔ نہایۃ الارب نویری
۵۔ البیان والتبیین جاحظ
۶۔ الحیوان جاحظ
۷۔ عیون الاخبار ابن قتیبہ
۸۔ رحلۃ ابن جُبیر
۹۔ الخطط مقریزی
۱۰۔ الفخری ابن طباطبا
۱۱۔ معجم الادباء یاقوت
۱۲۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی
۱۳۔ تاریخ ابن عساکر
۱۴۔ تاریخ ابوالفداء
۱۵۔ النجوم الزاہرہ
۱۶۔ معجم الحیوان معلوف پاشا
۱۷۔ ابوہریرہ عبدالحسین
۱۸۔ خزانۃ الادب بغدادی
۱۹۔ خاص الخاص ثعالبی
۲۰۔ ثمار القلوب ثعالبی
۲۱۔ الصداقۃ والصدیق توحیدی
۲۲۔ نکت الہمیان صفدی
۲۳۔ شرح لامیۃ العجم العلوانی
۲۴۔ تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان
۲۵۔ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان
۲۶۔ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ
۲۷۔ الحضارۃ الاسلامیۃ کریمر
۲۸۔ السیادۃ العربیۃ فولتین
۲۹۔ حضارۃ الاسلام ابراہیم پازجی
۳۰۔ تاریخ العرب فلپ ہٹی
۳۱۔ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ بروکلمان
۳۲۔ المسیحیۃ فی الاسلام لوقا
۳۳۔ العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام گولڈزیہر

یہ ہیں وہ مصادر جن کی فہرست ابوریہ نے اپنی کتاب کے آخر میں دی ہے اور جن کے بارے میں یہ بلند بانگ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ایسے دلائل ہیں جن میں شک وضعف کا کوئی احتمال موجود نہیں ہے۔ بخلاف ازیں جو دلائل بخاری ومسلم ومسند احمد وموطا ونسائی وترمذی ودیگر معتمد کتب حدیث سے ماخوذ ہیں، ان میں سے جس کو چاہا ردّ کر دیا۔ اس لئے کہ ان دلائل میں شک وشبہ اور اور ضعف کا احتمال ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ:۔

۱۔ بخاری کے مندرجات مشکوک ہیں مگر الاسکافی کی بیان کردہ حکایات قابل اعتماد ہیں۔

۲۔ مسلم کی روایات ضعیف ہیں، البتہ ثعالبی کی صداقت شک وشبہ سے بالا ہے۔

۳۔ احمد بن حنبل جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں، مگر ابن ابی الحدید کی ہر روایت سچی ہے۔

ایسی باتیں کہنے والے کے بارے میں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ مگر جس عظیم ادیب نے ابوریہ کی کتاب پر تقریظ لکھی، اس پر تحسین وتوصیف کے پھول نچھاور کئے ہیں، اور ہمارے دیار و بلاد میں علمی طرز وانداز کی طرح ڈالی ہے، میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ایسی کتاب لکھنے والے شخص کا شمار علماء طلباء یا ان لوگوں کے زمرہ میں ہو سکتا ہے جو جانتے ہوں کہ "علم" کیا چیز ہوتی ہے؟

نہم = ابوریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اپنی کتاب کو علمی تحقیق کے قواعد واصول پر مرتب کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب کے لئے کونسا طرز ومنہاج وضع کیا ہے؟ اس نے احادیث کی جانچ پرکھ کے لئے کون سا مقیاس ومعیار مقرر کیا ہے؟ ہمارے پاس کتب حدیث کا جو ذخیرہ موجود ہے اس کو کیا کریں؟ کیا سب کو پھینک دیں؟ کیا سب کو تسلیم کریں یا بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں؟ اس کے اصول وقواعد کیا ہیں؟ اگر حدیثوں کے جانچنے پرکھنے کا معیار عقل ہے تو سوال یہ ہے کہ کس کی عقل؟ کیا ابوریہ کی عقل جس نے احادیث صحیحہ کو ٹھکرا دیا ہے اور جھوٹی کہانیوں کی تصدیق کی ہے؟ جس نے بخاری کی روایات کو ردّ کر دیا مگر الاسکافی کی کہانیوں کو درست قرار دیا۔ نیز یہ کہ ہم ابوہریرہ کی مرویات کو کیا کریں؟ کیا یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں یا بعض جھوٹی ہیں یا بعض سچی؟ پھر یہ کہ احادیث صحیحہ وضعیفہ کو جانچنے پرکھنے کا معیار کیا ہے؟

ابوریہ نے اپنی انفرادیت وعبقریت جتانے کے لئے بتایا ہے کہ علمائے سابقین خواب غفلت میں گرفتار تھے یہی وجہ ہے کہ وہ حدیث کی چھان پھٹک کے لئے قواعد صحیحہ وضع نہ کرسکے۔ یہ اہم کام صرف وہی انجام دے سکا ہے۔ حالانکہ ابوریہ نے جو کام کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ حدیث نبوی اور اس کے رواۃ ورجال از صحابہ تا تابعین کو مشکوک ثابت کرنے کے لئے جو کچھ کیا جاسکتا تھا ابوریہ نے اس سے گریز نہیں کیا۔ ابوریہ کی رائے میں یہ حدیث نبوی ﷺ کی عظیم خدمت ہے۔

کیا اسی کو علمی وتحقیقی طرز ومنہاج کہتے ہیں؟ کیا یہی وہ درس ومطالعہ ہے، جو علمی تحقیقات کے قواعد واصول پر مبنی ہے اور جس کی نظیر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی؟

میں شہادت دیتا ہوں کہ واقعی تا ہنوز کسی شخص نے جو آپ اپنی عزت کرنے کا عادی ہو اور جو اپنی اور اپنے قارئین کی عقل کو وقعت وعزت کی نگاہ سے دیکھتا ہو ایسی کتاب تحریر نہیں کی۔ ابوریہ کے لئے یہ شرف کافی ہے۔ اس سے بڑھ کر جو بات اس کے لئے سرمایۂ فخر ومباہات ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی تصنیف پر تیس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک سعی وکاوش انجام دی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ	آپ فرمادیں کیا ہم بتائیں کہ گھٹیا
أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ	اعمال والے کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، وَهُمْ	کوشش دنیوی زندگی میں گم ہوکر
يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ	رہ گئی اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے
صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)	کام کرتے ہیں۔

سابقہ بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ابوریہ کی تصنیف دو وجوہات کی بنا پر کسی علمی قدر وقیمت کی حامل نہیں ہے۔

(۱) کتاب کا طرز تحریر علمی وادبی نہیں ہے۔

(۲) اس کا مصنف علمی امانت ودیانت سے بے بہرہ ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ (الاحزاب: ۴)